افواجِ پاکستان کے اُن جانبازوں، سرفروشوں کی داستانِ شجاعت
جو بے دریغ اپنی دھرتی پر قربان ہو گئے....

ہمارے شہداء

عبدالستار اعوان

افواجِ پاکستان کے اُن جانبازوں، سرفروشوں کی داستانِ شجاعت

جو بے دریغ اپنی دھرتی پر قربان ہو گئے....

2017

نام کتاب ...... ہمارے شہداء

مصنف ...... عبدالستار اعوان

باہتمام ...... علامہ عبدالستار عاصم، محمد فاروق چوہان

طبع اوّل ...... جنوری 2017ء

سرورق ...... عبدالرحیم (خطاط)، محمد شوکت

قیمت ...... -/1500 روپے

ناشر ...... قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل

ملنے کا پتہ ...... قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل

...... بینک سٹاپ، والٹن روڈ، لاہور کینٹ

qalamfoundation3@gmail.com

0300-0515101/0423-6613021

بسم اللہ الرَّحمٰن الرَّحیم

انتساب

آرمی پبلک سکول پشاور کے اُن معصوم شہداء کے نام

جنہوں نے پوری قوم کو عزم و حوصلے، اتحاد و یقین، جرات، بے خوفی اور ولولے کا درسِ عظیم دیا۔ ظالم کے آگے ڈٹ جانے کا سبق دیا۔ ان معصوم کلیوں نے جہاں بہادری، جاں فروشی کی منفرد تاریخ رقم کی وہیں بزدل اور سفاک دشمن کے درندہ صفت چہرے سے بھی نقاب نوچ ڈالا۔ پانچ پانچ، سات سات اور دس دس سال کے معصوموں نے نرم و نازک سینوں پر گولیاں کھا کر دنیا کو بتلا دیا کہ بہادر دشمن نہیں، ہم ہیں۔ ہم عزم و ہمت اور صبر و رضا کے کوہ گراں ہیں اور دشمن کی سوچ اور حرکت انتہائی گھٹیا اور رذیل تر ہے۔ ان معصوم کلیوں نے ہمیں یہ پیغام دے دیا کہ دشمن کہاں کا بہادر اور کاہے کا دلیر ہے؟ دلیر تو ہم ہیں جنہوں نے اپنے سرخ لہو سے دشمن کی خوفناک بندوقوں کو ٹھنڈا کر دیا اور اس کے شیطانی عزائم کا پردہ چاک کر کے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلیل و رسوا کر ڈالا......

◆......◆......◆

فہرست

بسم اللہ الرَّحمٰن الرَّحیم

زندہ تحریریں

کس قدر دل گداز حقیقت ہے کہ شہید جو بظاہر نہیں ہوتا وہ زندوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ یہ گواہی پوری دنیا کے لیے ایک سچائی ہے۔ شہید کا لفظ اور کردار پوری دنیا میں صرف مسلمانوں کے پاس ہے۔ اس کے مقابلے کا لفظ بھی کسی کے پاس نہیں ہے تو کوئی کردار کیسے ہوگا۔ جناب عبدالستار اعوان نے شہداء کے لیے زندہ تحریریں لکھی ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر اجمل خان نیازی (ستارہ امتیاز)

08 جنوری 2017

ہمارے شہداء ہمارے امین

میں جناب عبدالستار اعوان کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے شہدائے افواجِ پاکستان اور شہدائے پاکستان کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے یہ کتاب واقعی خونِ جگر سے تحریر کی ہے۔ میں ایسی شاندار اور تاریخ ساز کتاب لکھنے پر مصنف اور علامہ عبدالستار عاصم کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ میں یہ کتاب امریکہ اور یورپ اور امریکہ میں قائم اردو مراکز میں پہنچاؤں گا۔

انور شہزاد

چیئرمین ہیومن کیئر ٹرسٹ انٹرنیشنل

08 جنوری 2017

عبدالستار اعوان کی ایک ابدی وسرمدی کتاب

عبدالستار اعوان نوجوان قلم کاروں میں وہی مقام رکھتے ہیں جو ناٹوں کے ہجوم میں ایک دراز قامت شخصیت رکھتی ہے۔ان کا عمومی تعارف کالم نگار کا ہے لیکن ان کی مشق اور مزاولت ثابت کرے گی کہ وہ دن دور نہیں جب ہر کہ ومہ تسلیم کرے گا کہ نوجوان اعوان ایک صاحب طرز ادیب بھی ہے۔ خالی خولی ادیب نہیں بلکہ ادیب طناز۔ان کی تحریریں پڑھتے ہوئے ایک قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ انہیں کلام اور قلم دونوں پر بیک وقت قدرتِ کاملہ اور مہارتِ تامہ حاصل ہے۔سلمان فارسی کی طرح وہ ابن الاسلام بھی ہیں اور ابن القلم بھی ......لیکن ان پر ابن الوقت ہونے کا الزام نہیں دھرا جا سکتا ۔اسلامیت، انسانیت اور پاکستانیت ان کی شریانوں میں لہو بن کر گردش کرتی اور سینے میں قلب جوان بن کر دھڑکنوں کے رزمیے الاپتی ہے۔ وہ ایک ایسے صاحب قلم ہیں کہ جب ان کا قلم صفحۂ قرطاس پر رواں ہوتا ہے تو سطر سطر حسن تخیل کی جنتوں کے زائچے سج جاتے ہیں۔ گو کہ انہوں نے دعویٰ نہیں کیا لیکن ان کی تحریریں پڑھتے ہوئے میں نے محسوس کیا ہے کہ ان کے قلم سے نکلنے والا ہر لفظ دامن مریم کی عفت مآبی لئے ہوتا ہے۔ وہ قلم کی عظمت، لفظ کی عصمت، حرف کی حرمت اور خیال کی عفت کو ہر لحظہ پیش نظر رکھتے ہیں۔اس پائے کے ادیبوں اور قلم کاروں ہی کے بارے کہا جاتا

ہے کہ ان کے قلم سے ٹپکنے والا ہر لفظ جو بندھ گیا، سوموتی کے مصداق ہوا۔ وہ بے تکان لکھتے ہیں۔ روایتی ادیبوں کی طرح لکھنے سے قبل انہیں کسی قسم کے خارجی تکلفات وتلازمات کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ وگرنہ ہمارے ہاں دانشور اور ادیب ایک آدھ صفحہ کی الم غلم تحریر بھی سپردِ قرطاس کرنے سے قبل صراحیٔ مئے ناب اور سفینۂ غزل کی معیت اور رفاقت کو ناگزیر جانتے ہیں۔

عبدالستار اعوان کا جو وصف اور خوبی مجھے سب سے زیادہ پسند ہے، وہ یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت بادۂ حب الوطنی سے سرمست وسرشار رہتا ہے۔ حب الوطنی، اسلام دوستی اور پاکستانیت اس کے وجود میں یوں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے جیسے آہوئے تاتار کے نافے میں مشکِ اذفر اور الغوزے کی دُھن میں گداز۔ وہ جب بھی میدان میں قدم اور صفحے پر قلم اٹھاتا ہے، حب الوطنی کا اجالا اور پاکستانیت کی روشنی اس کی رہبر اور رہنما ہوتی ہے۔ اس کی سوچ اور فکر کا مطاف و کعبہ ہمیشہ یہ پاک سرزمین رہی ہے۔ اس کی عقیدتوں کا محور ومرکز اس پاک سرزمین کی حرمت، ناموس اور تقدیس کی خاطر قربانی دینے کے لئے کفن بردوش اور سربکف رہنے والے پاک افواج کے جگر دار غازی، شیر دل مجاہد اور سرخرو شہید رہے ہیں۔ ان کی اوّلین تصنیف لیلائے وطن کی مانگ میں اپنے خون کی افشاں چننے والے شہیدوں اور غازیوں کے کارناموں کا احاطہ کرتی ہے۔ انہوں نے جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کو بیدار کرنے کے لئے ایسا والہانہ پن اپنی تحریروں میں سمویا ہے کہ ایک ایک لفظ قرونِ اولیٰ کے غزوات میں شامل غازیوں کے نیزوں کی انی، خنجروں کی نوک اور تلواروں کی دھار کی طرح لپکتا، ڈلکتا، چمکتا اور دمکتا محسوس ہوتا ہے۔ وہ وطن عزیز کے ہر بچے کو معوذؓ، ہر نوجوان کو ابن قاسمؒ، ہر بوڑھے کو یوسف بن تاشفینؒ اور ہر عورت کو خولہ بنت ازورؓ کے پیروکار کے روپ

میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ جہاد اور شہادت کے ساتھ ان کی بے پناہ شیفتگی اور شیریں دیوانگی کی حدوں کو چھوتی ہوئی محبت انہیں ایک منفرد دانشور اور قلم کار کا روپ عطا کرتی ہے۔ان کی اس کتاب کے ہر صفحے پر درج ہر لفظ سامراج اور پاکستان دشمن رام راج کے سینے میں گولی کی طرح پیوست ہوتا نظر آتا ہے۔

عبدالستار اعوان ایسے باہمت قلم کار امید اور آس کے اس دیئے کی سنہری لوؤں کو مشعل راہ بنا کر جب زندگی کے سفر پر روانہ ہوتے ہیں تو شاہراہ زیست کے ذرے ذرے کو اجال کر اسے قدم قدم یادگار بنا دیتے ہیں۔ وہ تمام تخلیق کار جو زندگی کے نقیب ہوتے ہیں امید کے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیتے۔آکسیجن کے بعد انسانی زندگی کی بقاء کیلئے سب سے زیادہ ضروری چیز امید ہے، جب تک سانس کی ڈوری بندھی رہے ایک باہمت انسان اپنے ہاتھ سے امید کا دامن نہیں چھوڑتا۔اگر زندگی ایک شمع ہے تو امید اس کا فانوس ہے، جو اسے تند و تیز ہواؤں کے ''سحر خور'' تھپیڑوں سے محفوظ رکھتا ہے۔اگر زندگی محض مٹی ہے تو اس کی تمام تر ثمر ریزی اور زرخیزی کا دارومدار اسی نم پر ہے۔امید کے بادل اڑنچھو ہو جائیں تو زندگی کی لہلہاتی کھیتی مرجھا کر رہ جاتی ہے۔ یہ تو ہر کوئی جانتا ہے کہ جب تک امید کی جوت شریانوں میں لہو بن کر دوڑتی ہے، زندگی سے محبت کا دیا روشن رہتا ہے۔یہ شاخ امید ہی ہے جس پر زندگی سے محبت کے گلاب کھلتے ہیں۔جب ان گلابوں کی کومل پنکھڑیاں کھلکھلا اٹھتی ہیں تو چمن زارِ ہستی کی روش روش پر خوشبو کی نازک پریوں کے قافلے خیمہ زن ہو جاتے ہیں۔زندگی سے محبت بازیچہ اطفال نہیں، یہ جان جوکھوں کا کام ہے۔یہ انہی کا کام ہے،جن کے حوصلے ہیں زیادہ۔ امید کی کدال اور آس کے تیشے کی ہر ضرب جب دھرتی کے پتھریلے سینے پر پڑتی ہے تو چنگاریاں سی اڑتی ہیں۔ان میں سے ہر چنگاری بجائے خود آفتابِ کامل

ہوتی ہے۔ اس آفتابِ کامل کی ہر کرن ''شبِ جمود'' کے تابوت کیلئے میخ کا کام کرتی ہے۔ سنگلاخ دھرتی پر ضربوں کی پیہم بارش جاری رہتی ہے اور اس نورانی بارش کا ہر قطرہ اربوں صبحوں اور کھربوں فجروں کو اذنِ طلوع دیتا ہے۔ یوں عبدالستار اعوان روشنی کا نقیب بن کر کائنات میں ہر سو انقلاب اور تغیر کا اجالا پھیلانا چاہتا ہے...... وہ صرف ادیب اور قلم کار ہی نہیں بلکہ امید کا پیام بر بھی ہے۔ اس ایسے دانشور زندگی، روشنی اور امید کے مسیحا ہوتے ہیں۔ امید ہی تو زندگی اور روشنی ہے۔ یہ روشنی انسان کی جبلی پیاس ہے...... روشنی! روشنی!! اے روشنی!!!

خوشبو ہیں تو ہر دور کو مہکائیں گے ہم لوگ

ایسے صحافی اور قلمکار جن کی تحریروں کے افق پر امید اور جستجو کے آفتاب و ماہتاب روشن اور درخشاں نہ ہوں، زہر کے سوداگر ہوتے ہیں۔ زہر کے یہ سوداگر مریمِ صحافت کے عفت مآب دامن کو داغدار کرنے کی ناپاک اور ناکام جسارت کر کے کسی کا تو کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنی ہی دنیا اور عاقبت دونوں کو خراب کرتے ہیں...... یہ سنسنی خیزی، یہ دشنام طرزی، یہ الزام تراشی، یہ بیہودہ گفتاری...... کیا یہ سب صحافت اور ادب ہے؟ بھلا ادب وصحافت کا ان آلودگیوں، غلاظتوں اور آلائشوں سے کیا ناطہ؟

عبدالرحمان شوقی مصر کے ایک مشہور شاعر تھے۔ نابینا تھے لیکن دل کے اندھے نہیں تھے۔ وگرنہ مادہ پرست انسانی معاشروں میں اکثریت آنکھوں کی نہیں، دلوں کی اندھی ہوتی ہے۔ فانها لا تعمیَ الابصار ولاکن تعمیَ القلوب التی فی الصدور ۔ وہ پہلے عرب شاعر تھے، جنہوں نے کلام اقبال کا عربی میں منظوم ترجمہ کیا۔ نابینا مصری شاعر عبدالرحمٰن شوقی نے ایک انتہائی پتے

کی بات کی تھی، اس نے کہا تھا:

الناس صنفان موتیٰ فی حیاتھم

و آخرون ببطن الا رض احیاء

''انسانوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ اِن میں سے ایک وہ ہوتے ہیں جو زندگی ہی میں مر جاتے ہیں اور دوسرے وہ ہوتے ہیں کہ انہیں زمین کی گہرائیوں میں دفن بھی کر دیا جائے تو زندگی اور حیات سے ان کا رشتہ ناطہ نہیں ٹوٹتا۔''

جب تک انسان زندہ رہتا ہے، اس تصور سے بھی گھبراتا ہے کہ موت کا برفیلا ٹھنڈا ہاتھ جانے کس وقت اس کے کندھے پر دستک دے۔ موت خوف کی علامت بن کر اس کے اعصاب پر سوار رہتی ہے۔ موت کن لوگوں کیلئے خوف کی علامت ہے؟ صرف اُن کوتاہ نظروں کیلئے جو مادی تصور حیات رکھتے ہیں اور زندگی کو محض دو چار کیمیائی عناصر کا ظہور ترتیب سمجھتے ہیں۔ اور وہ جو اللہ کے راستے میں جان دینے کو حیات جاوداں جانتے ہوں، وہ جری موت سے کبھی گھبرایا نہیں کرتے۔ باب العلم سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کرنے سے کہیں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ بوقتِ مرگ میدانِ جنگ میں دشمنوں سے برسرِ پیکار ہوں اور میرے سر پر ضرب لگانے کیلئے ستر ہزار تلواریں حملہ آور ہونے کیلئے بیک وقت پر تول رہی ہوں'' وہ مست الست دلاور دیوانے جو موت کو محض ایک ایسا پُل تصور کرتے ہیں، جو عاشق کو معشوق سے ملانے کا ذریعہ بنتا ہے موت سے خائف نہیں ہوتے، موت تو دوست کی جانب ''دوست'' کی طرف سے وصال کا پیغام لے کر آتی ہے۔

ارض وطن کی ناموس کے لیے میدان حرب وضرب میں اترنے والے افواج

پاکستان کے ہر افسر اور جوان کا مقصد وحید صرف اور صرف حصول شہادت ہے۔ پاک فوج کے شہداء اور غازی اسلامی تاریخ کا ایک زرتاب اور سنہرا باب ہیں۔ عبدالستار اعوان نے انتہائی محنت اور شبانہ روز تحقیق کے بعد ان شہیدوں کے کارہائے نمایاں کو اپنی اس کتاب کا حصہ بنایا ہے۔ میرا یقین اور ایمان ہے کہ شہید کو بھی دست قدرت حیات جاودانی کی خلعت پہنا تا ہے اور وہ کتاب جس میں ان شہداء کا ابدی وسرمدی تذکرہ ہوتا ہے، ابدالآباد تک زندہ رہتی ہے اور اس کے مصنف کا نام بھی مرگ نا آشنا ہو جاتا ہے۔

گزشتہ دنوں عبدالستار اعوان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے یہ گرانقدر تحفہ پیش کیا۔ میرے نزدیک دنیا میں ایک اچھی کتاب کا تحفہ کوہ نور ہیرے سے بھی قیمتی ہوتا ہے۔ یہ انمول اور بیش قیمت تحفہ ان کی نئی کتاب ''ہمارے شہداء'' تھا۔ اس کتاب میں مادروطن کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے جسم و جاں کا نذرانہ پیش کرنے والے شہداء کا تذکرہ، ان کے اجمالی تعارف اور جگرداری و بسالت کے کوائف کے ساتھ موجود ہے۔ یہ کتاب کیا ہے بس ایک زندہ وجاوید دستاویز ہے۔

حافظ شفیق الرحمٰن
سینئر صحافی رکالم نویس

◆......◆......◆

شہداء کے مقصد کو زندہ رکھا جائے

ارشادِ ربانی ہے "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو جائیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس بات کا شعور نہیں رکھتے"۔ ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑی عظمت اور سعادت کیا ہو سکتی ہے۔ اسی لئے تو ہر مسلمان سپاہی کی اوّلین خواہش "شہادت" ہوتی ہے۔ افواج پاکستان کا تو نعرہ ہی "غازی یا شہید" ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت، نہ کشور کشائی

تاریخ کسی کا ادھار نہیں رکھتی۔ ہم جانتے ہیں کہ غزوہ بدر سے لے کر عصر حاضر تک جتنے بھی جانبازوں نے اسلام اور ملک وقوم کی سربلندی کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، تاریخ نے انہیں اپنی آغوش محبت میں لے لیا اور ان کے ذکر کو عام کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی مجاہد چاہے فلسطین میں ہو، کشمیر میں ہو، افغانستان میں ہو یا دنیا کے کسی گوشے میں جام شہادت نوش کرے، پوری امتِ مسلمہ اسے خراج تحسین پیش کرنا اپنا فریضہ سمجھتی ہے۔ زندہ قومیں اپنے شہداء کی قربانیوں کی مقروض ہوتی ہیں اور اس قرض کو اتارنے کا آسان حل یہ ہے کہ جس مقصد کی خاطر انہوں نے جان عزیز قربان کی اسے زندہ رکھا جائے۔ شہداء کی

قربانیوں کے ذکر کو پھیلانے کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان ان کے ولولہ انگیز واقعات سے اپنے ایمان و یقین اور جذبے کو مزید پختہ کر سکیں۔

محترمی عبدالستار اعوان نے بھی اس فرض کو بخوبی نبھایا ہے اور وطن پر جان قربان کرنے والوں کے ذکر کو کتابی شکل دے کر "ہمارے شہداء" کی عظمت وفضیلت کو نکھارا ہے۔ مجھے امید ہے کہ مصنف کی اس کاوش کو علمی وادبی حلقوں میں خاصی پذیرائی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مصنف کی کاوش کو شرف قبولیت بخشے اور انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

جنرل مرزا اسلم بیگ

(سابق چیف آف آرمی سٹاف)

◆……◆……◆

قومی ہیروز کی رُوداد

جناب عبدالستار اعوان کا میں مستقل قاری ہوں، وہ بہت خوبصورت انشا پرداز کالم نگار ہیں اور ہردلعزیز شخصیت ہیں۔ان کا مشاہدہ بھی اپنی عمر سے آگے نکلا ہوا ہے اور مطالعہ بھی وسیع ہے۔

ہمارے شہداء ہم سب کے نہیں، بلکہ عالم اسلام کے شہداء ہیں۔ شہادت کا مرتبہ نصیب والوں کو ملتا ہے۔ شہادت کا تصور جہاد سے جڑا ہوا ہے اور جہاد صرف اور صرف اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ جہاد کی جس طرح کئی قسمیں ہیں اور درجات ہیں اسی طرح شہادت کی بھی منزلیں ہیں، سب سے افضل جہاد اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ ہمارے شہداء نامی اس ایمان افروز کتاب میں انہی شہداء کا تذکرہ ہے جنہوں نے اللہ کے دین کی سربلندی اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی بقاء کے لئے بھارت جیسے کینہ توز اور بزدل دشمن کی شرانگیزیوں کی سرکوبی کے لئے اپنی جانیں، جانِ آفرین کے سپرد کردیں۔

ہمارے شہداء میں پچاس کے قریب شہداء کا اذکار، دراصل یہ ہیروز کی رُوداد ہے ،جرنیل سے لے کر سپاہی تک کی کہانی ہے۔ یہ ایسے نگینوں کو خراج تحسین ہے جو شہادت کا مرتبہ پاکر آنے والی پاکستانی نسلوں کو تحفظ کا احساس دلا گئے ہیں۔

جناب عبدالستار اعوان کا اندازِ تحریر صحافیانہ ہے، یعنی کم سے کم الفاظ میں زیادہ

سے زیادہ مفہوم دے جانا' یہی وجہ ہے کہ ہمارے شہداء کے کالم یا مضمون بے جا طوالت کا شکار دکھائی نہیں دیتے۔ جناب اعوان نے آج کا سب سے اہم مسئلہ دہشت گردی کے خلاف افواج پاکستان کے کردار سے لے کر 1965ء اور 1971ء کے چند گمنام مجاہدین کا ذکر کر کے ہم ایسے تاریخ کے طالب علموں کے لئے آسانیوں کا سامان کیا ہے۔ میں ذاتی طور پر جناب عبدالستار اعوان سے کہوں گا کہ ابھی اس سفر میں کچھ اور بھی گراں مایہ ہیں انہیں بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ فرما دیجئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ افواج پاکستان کی لائبریریوں کے علاوہ ہر اس گھر اور دفتر میں بھی اس مقدس کتاب کو ہونا چاہیے جہاں جہاں انسانوں کی بقاء کے خیر خواہ اور امن کے خوگر موجود ہیں۔ قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کے چیئرمین علامہ عبدالستار عاصم بھی مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے اس عظیم قومی خدمت کا بیڑہ اٹھایا ہے۔

جبار مرزا
سینئر ادیب، صحافی

◆......◆......◆

شہداء کو زبردست خراجِ تحسین

قومیں اپنے نظریئے کی بدولت پہچانی جاتی ہیں۔ اپنے نظریئے کے ساتھ جُڑی ہوئی اقوام ہی دُنیا میں باوقار اقوام کے طور پر اُبھرتی ہیں۔ وطنِ عزیز پاکستان میں بسنے والے کروڑوں عوام اپنے نظریئے اور وطن سے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ پاکستان ہمیں پلیٹ میں رکھ کر پیش نہیں کیا گیا تھا' بلکہ ہمارے اسلاف کی انتھک کاوشوں اور جانی و مالی قربانیوں کی بدولت برصغیر کے مسلمان یہ سرزمین حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہرے۔ قیامِ پاکستان کے اوائل ہی میں اس قوم کو دشمن کی جارحیت کا سامنا کرنا پڑا۔ 1948ء میں کشمیر کے محاذ پر دشمن سے ٹاکرا ہوا تو 1965ء میں عددی اعتبار سے برتر ہونے کے گھمنڈ میں مبتلا ازلی دشمن نے ایک اور وار کیا اور اس کے بعد بھی، جب جب دشمن کو مواقع ملے اُس نے ایسے مواقع سے بھرپور استفادہ کیا اور دشمن سے رعایت کی توقع بھی عبث ہے۔

نائن الیون کے بعد دہشت گردی کے خلاف جنگ کا آغاز ہوا تو اُس میں بھی دشمن' دوستوں کے روپ میں دشمنی کرنے والے ممالک نے مل کر پاکستان کو زیر کرنے کی سازشیں کیں لیکن پاکستان کے جری سپوت ڈٹ گئے اور مادرِ وطن کے دفاع کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے اس جانبازی اور فخر سے دیئے کہ دشمن بھی انگشت بہ دنداں رہ گئے۔ قابلِ صد احترام ہیں ہمارے شہداء جنہوں نے وطن کے لئے جان کی بازی لگا دی لیکن وطن پر آنچ نہیں آنے دی۔ معروف کالم نگار عبدالستار اعوان نے ایسے ہی نگینوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے ہلال اور مختلف جرائد میں چھپنے والے اپنے مضامین کو کتابی

صورت دے کر اسے ''ہمارے شہداء'' کے نام سے پیش کیا ہے جو بلاشبہ ایک قابلِ ستائش اور لائقِ تحسین کام ہے کیونکہ جو اقوام اپنے ہیروز اور محسنوں کو یاد رکھتی ہیں اُنہیں کبھی زوال نہیں آتا۔ اس حوالے سے عبدالستار اعوان کی یہ کاوش ایک مستقل اور تاریخی نوعیت کی کاوش گردانی جائے گی کہ انہوں نے وطن پر مر مٹنے والے نگینوں کو یکجا کر کے ایک ایسی چمکتی دمکتی مالا پرودی ہے جس کی روشنی ملک کے مختلف شہروں' قصبوں اور دیہاتوں سے پھوٹتی ہے۔

عبدالستار اعوان نے پچاس کے لگ بھگ سپوتوں کی جرأتوں کی داستان کو ایک دلکش تخلیق کی صورت دی ہے جس میں میجر جنرل ثناءاللہ نیازی' کرنل افتخار جمیل' کرنل صاحبزادہ گل' میجر ذکاءالحق' کیپٹن ایز دامتیاز علی' کیپٹن سرفراز' صوبیدار ممتاز حسین' نائیک عابد' سپاہی مہربان' کمانڈو نعیم عباس اور سینئر ٹیک ندیم اعوان سمیت بہت سے شہداء کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ الغرض جنرل سے لے کر سپاہی تک کے وہ عظیم سپوت جو اس ملک وقوم کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر گئے' ان پر عبدالستار اعوان نے خراجِ عقیدت کی پتیاں نچھاور کی ہیں تاکہ ان کی لازوال قربانیوں کی بازگشت ملک کے طول وعرض میں پھیل سکے۔

عبدالستار اعوان وطن سے محبت رکھنے والے ایک ایسے نوجوان ہیں جو اس دھرتی کے ساتھ لگاؤ رکھنے والوں کی تحسین کے لئے ہمیشہ ہراول دستے میں ہوتے ہیں۔ جب تک ملک میں عبدالستار اعوان جیسے محبّ وطن لکھاری موجود ہیں قوم کے متوالوں کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ میں اس کاوش پر عبدالستار اعوان کے لئے دعا گو ہوں اور مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

یوسف عالمگیرین

ایڈیٹر ہلال / کالم نگار / ادیب

◆......◆......◆

عسکری ادب کا ایک قیمتی اثاثہ

عسکری قلم کاروں کی صف میں عبدالستار اعوان کی آمد میرے لئے ایک نہایت خوشگوار احساس تھا۔ عسکری مصنفین پاکستانی ادب میں اول تو آٹے میں نمک کے برابر ہیں اور جو ہیں تب ان کی توجہ سوانح نویسی کی طرف بہت کم تھی۔

عبدالستار اعوان نے 2008ء میں افواج پاکستان کے موقر جریدے ماہنامہ ہلال کے لئے ایک شہید سپاہی کی سوانح عمری بھجوائی تو یہ وہ دور تھا جب افواج پاکستان کے سپوت دہشت گردوں کے خلاف وطن عزیز کے تحفظ وسلامتی کی جنگ لڑتے ہوئے اپنی جانوں کے نذرانہ پیش کررہے تھے، لیکن ان کی قربانیوں کو تاریخ کے اوراق میں محفوظ بنانے والوں کو ڈھونڈنا پڑتا تھا۔ ایسے میں عبدالستار اعوان جیسے لکھاری کا از خود اس میدان میں اپنی خدمات پیش کرنا جذبہ حب الوطنی کا ایک بہترین مظاہرہ تھا۔ اس نوجوان مگر سنجیدہ لکھاری نے اپنے شب و روز ایک کر کے اس مقدس فریضے کا بیڑا اٹھایا اور آج ماشاءاللہ میری آنکھوں کے سامنے اس کی کاوش ''ہمارے شہداء'' عسکری تاریخ کے آکاش پر ایک خوبصورت قوس وقزح کی طرح آویزاں ہے۔ 200 صفحات پر مشتمل 50 سپوتوں کی اس کتاب کو تحریر کرتے ہوئے مصنف نے اپنی فہم و فراست کے جوہر دکھانے کے ساتھ ساتھ شہداء کی زندگی اور شہادت کے حوالے سے حقائق کو ایسے موثر اور جامع انداز میں قلم بند کیا ہے کہ بے ساختہ ان کی تحقیقی کاوشوں اور علمی قابلیت پر داد دینے کو دل چاہتا ہے۔

اس تصنیف میں مجھے ایسے بہت سے شہداء کی داستانیں بھی پڑھنے کو ملیں جن کی عظیم قربانی کا تذکرہ ابھی تک قوم پر قرض تھا، اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسی تصنیف کے لئے ایک اعلیٰ ترین جذبہ حب الوطنی اور قلم کا اخلاص ہی انسان کو راغب کر سکتا ہے۔ یقیناً یہ کتاب عسکری ادب کا ایک قیمتی اثاثہ ثابت ہوگی۔ میں عبدالستار اعوان کو اس بہترین کاوش پر مبارک باد اور پرخلوص دعائیں پیش کرتا ہوں۔

لیفٹیننٹ کرنل عارف محمود
آئی ایس پی آر/سابق ایڈیٹر
ہلال (صدارتی ایوارڈ یافتہ)

◆……◆……◆

شہید زندہ ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں شہیدوں کو مرنے کے باوجود زندہ قرار دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

''جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں''۔

شہادت بہت بڑا درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء، صدیقین کے بعد شہداء کا ذکر فرمایا ہے اور مسلمانوں کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں اور یہ ہر مسلمان کی دلی تمنا ہے۔

یہ کتاب بہت خوبصورت کتاب ہے۔ اس میں شہدائے پاکستان کا ذکر ہے۔ ان کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں ہماری حفاظت کے لیے قربان کیں۔ آپریشن ضربِ عضب درحقیقت آپریشن بقائے پاکستان ہے۔ اس میں حصہ لینے والا ہر شخص محسنِ پاکستان ہے۔ یہ کتاب ہر گھر کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مصنف کی کاوش کو قبول فرمائے (آمین)

مفتی محمد وحید قادری
ناظم اعلیٰ جامعہ رضویہ ٹرسٹ ماڈل ٹاؤن لاہور

عرضِ مصنّف

وطن عزیز پاکستان کی بقاء، تحفظ اور سلامتی کے لئے افواج پاکستان کے بہادر افسر اور جوان گزشتہ سات دہائیوں سے جو قربانیاں دے رہے ہیں وہ اظہر من الشّمس ہیں۔ ہمیں اپنے ان بہادر شہداء اور غازیوں پر فخر ہونا چاہیے کہ اس سرزمین کی سلامتی کو اندرونی اور بیرونی سطح پر جب بھی خطرات لاحق ہوئے انہوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر اس کی حفاظت کی ۔جب بھی وطن دشمنوں نے ہماری سرحدوں پر گڑ بڑ پھیلانے یا اپنے ایجنٹوں کے ذریعے تخریب کاری اور دہشت گردی کو ہوا دے کر وطن عزیز کو کمزور کرنے کی کوشش کی ہمارے یہ اولوالعزم سپاہی آگے بڑھے اور اپنی دھرتی و قوم کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر کے دشمن کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ راقم السطور کا یہ دیرینہ موقف رہا ہے کہ ایسا محض تنخواہ پانے اور مراعات حاصل کرنے کے عوض ہرگز نہیں کیا جا سکتا اور اپنی جان تک قربان کرنے کی تحریک کے پیچھے صرف اور صرف نظریہ جذبہ حب الوطنی کارفرما ہوا کرتا ہے۔

الحمد اللہ! راقم اس بات پر فخر محسوس کرتا ہے کہ اس نے اُس وقت اپنے ان جانثار سپاہیوں پر قلم اٹھایا جب دہشت گردی اور نام نہاد طالبان یا دہشت گرد بلوچوں کے معاملے میں یہ قوم واضح طور پر تقسیم اور ابہام کا شکار تھی۔ ایک حلقہ بڑے واضح طور پر طالبان اور علیحدگی پسند بلوچوں کو غدارِ وطن کہتا تھا، ہماری سیکیورٹی فورسز کے جوان ان شرپسندوں کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی جوانیاں لہو رنگ کر رہے تھے، معصوم شہری ان درندوں کی بھینٹ چڑھ

رہے تھے تو دوسری جانب ان تخریبی عناصر کو "ہیروز" کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ ہمارے اکثر دانش ور، کالم نویس اور علمائے کرام بھی اسی واضح تقسیم کا حصہ تھے۔

انہی دنوں میں نے اپنے ان محافظوں پر قلم اٹھایا اور ان کے اہل خانہ، فوجی ساتھیوں سے باقاعدہ رابطہ کر کے ان کے حالات قلمبند کرنا شروع کئے جو افواج پاکستان کے ترجمان جریدے ماہنامہ "ہلال" اور بعد ازاں قومی اخبارات میں شائع ہوئے۔ شروع میں صرف دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شہید ہونے والے جانثاروں پر لکھا گیا تاہم بعد میں ایسے گمنام شہدائے افواج پاکستان پر بھی قلم اٹھایا گیا جو امتدادِ زمانہ کی گردشوں میں کہیں گم ہو گئے تھے، ان پر کچھ نہ لکھا جا سکا یا بہت کم لکھا گیا۔ چنانچہ اس کتاب میں آپ کو جنگِ ستمبر سے اب تک مختلف ادوار میں شہید ہونے والے افواج پاکستان کے ہزاروں شہداء میں سے صرف چند لوگوں کا جامع تذکرہ ملے گا۔ میں نے ان مضامین کو بے جا طوالت اور افسانوی رنگ دینے سے بھی سے حتی الوسع گریز کیا ہے۔ جہاں بھی مجھے پورے حقائق میسر نہ آئے، کچھ لکھنے سے اجتناب برتا۔

ان مضامین کو کتابی صورت دینے کی تحریک مجھے جن احباب نے دی ان کی فہرست بہت طویل ہے اور ان سب کے اسمائے گرامی یہاں درج کرنا ممکن نہیں، تاہم نہایت محترم جناب یوسف عالمگیرین (ایڈیٹر ہلال)، کرنل عارف محمود (سابق ایڈیٹر ہلال)، بزرگ صحافی اور ادیب منشاء قاضی، پروفیسر زینت صاحبہ، ادیب و شاعر افتخار مجاز، نواز کھرل، متین خالد، خالد یزدانی، خوبصورت لہجے کے شاعر اسلم شاہد (اسسٹنٹ کمشنر)، منصور اصغر راجا، مولانا عنایت الرحمٰن شمسی، مولانا عبدالجبار سلفی، حافظ یوسف سراج، رانا فیصل عزیز، سید بدر سعید، ناصف اعوان، سہیل طیب کھیتران اور ممتاز اعوان، ملک اصغر اعوان (پاک آرمی) کا شکریہ یہاں چند سطور میں قطعاً ادا نہیں کیا جا سکتا۔ بہت ہی محبت

کرنے والے انسان اور کتاب دوست شخصیت علامہ عبدالستار عاصمؔ کا از حد شکر گزار ہوں جنہوں نے نہایت جذبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان تحریروں کو آپ احباب کے سامنے کتابی صورت میں پیش کر دیا۔

میں امید کرتا ہوں کہ دھرتی کے ان سپوتوں کے تذکرہ ہائے وفا پر مشتمل یہ مجموعہ نہ صرف فوجی بلکہ وطن عزیز کے تمام محبّ وطن حلقوں میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جائے گا تاہم کسی بھی موضوع پر کام کرنے والا یہ دعویٰ ہر گز نہیں کر سکتا کہ اس نے اس کا حق ادا کر دیا، بہتری کی گنجائش بہر حال موجود رہتی ہے۔

میری کوشش ہوگی اس موضوع پر اپنی تحقیق مزید جاری رکھوں، دیگر شہداء کے حالات قلمبند کرنے اور اپنے اس کام میں مزید بہتری لانے کی کوشش کروں۔ اس ضمن میں مجھے آپ احباب کی مدد اور راہنمائی کی ضرورت رہے گی اور آپ کی گرانقدر آراء میرے لئے مشعل راہ ہوں گی۔

عبدالستار اعوان

بروز جمعۃ المبارک، مورخہ 23 دسمبر 2016ء

سبزہ زار سکیم، ملتان روڈ لاہور 0333/0308-8052393

◆……◆……◆

شہداء قوموں کی عظمت کے مینار

جناب برادرم عبدالستار اعوان کا شمار پاکستان کے اُن بڑے لکھنے والے نوجوانوں میں ہوتا ہے جن کی نظر ملکی اور بین الاقوامی معاملات پر گہری ہوتی ہے۔ عبدالستار اعوان بہت جلد اُس مقام پر پہنچ گئے ہیں جنہیں عبور کرنے کے لیے بڑھاپے کا ہونا ضروری ہے۔ وہ بظاہر ایک دبلے پتلے نوجوان نظر آتے ہیں لیکن اندر سے سمندر سے بڑے آسمان سے اونچے علم و فضل سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان کی تحریریں اکثر نظر سے گزرتی رہتی ہیں بلکہ سچی بات تو یہ ہے وہ اپنی تحریروں میں تحقیق، تجزیئے اور ایک نئے انداز سے بات کرنے کا خوب سلیقہ رکھتے ہیں۔ راقم الحروف نے بے شمار بڑے لوگوں سے ملاقاتیں کرنے کا شرف حاصل کیا۔ بابا جی اشفاق احمد، اعزاز احمد آذر، ڈاکٹر انور سدید، واصف علی واصف، جلیل الدین عالی، جناب مجید نظامی، مصطفےٰ صادق، ارشاد احمد حقانی جیسے سینئر دانشوروں کو بھی دیکھا لیکن موجودہ دانش وروں کی لاٹ میں جناب ڈاکٹر اجمل نیازی، افتخار مجاز، جبار مرزا، محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان، محمد فاروق چوہان، ظفر علی راجا، سرفراز سید، مظہر برلاس، محمد ضیاء الحق نقشبندی، میم سین بٹ، شہزاد فراموش، ندیم نظر یہ ایسے لکھنے والے لوگ ہیں جو

اپنے اپنے دائرہ میں انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتے ہیں۔ میں نے ان سب سے کچھ نہ کچھ ضرور سیکھا لیکن بقول ملک مقبول احمد بانی مقبول اکیڈمی کہ زندگی میں بڑا مقام اور نام پیدا کرنے کیلئے اگر سمت آپ کی ٹھیک ہو تو جہد مسلسل اتنا ہی ضروری ہے جتنا زندگی کو رواں دواں رکھنے کیلئے آکسیجن کی ضرورت ہے۔ اسی طرح جناب عبدالستار اعوان نے مطالعہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہے۔ وہ ہر نئی کتاب اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح آج کل موجودہ دور میں بچے پیزا برگر بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ کتابیں بقول ڈاکٹر اجمل نیازی کہ گھروں کی طرح ہوتی ہیں ان میں پرسکون طریقے سے رہنا چاہیے۔ جناب عبدالستار اعوان آج کل شہداء کی کتابوں کے گھروں میں رہائش پذیر ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ عبدالستار اعوان نے شہداء کی کتاب لکھ کر اہلِ وطن پر احسان کیا ہے۔ شہداء کا خون قوموں کی عظمت، قوت، ولولہ اور ابدی زندگی کا درجہ رکھتا ہیں۔ ہر اہلِ اسلام کی خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں۔ میری بھی یہی خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں۔ میں نے تو کفن بھی تیار کیا ہوا ہے اللہ کرے وہ مجھے نصیب ہو جائے۔ ہمارے شہداء حقیقت میں وہ لوگ ہیں جو وطن عزیز کی حفاظت کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں مارے گئے۔ قرآن حکیم کی صورت البقرہ کی آیت 154 میں ارشاد حقانی ہے کہ ''جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُنہیں مُردہ مت کہو وہ زندہ ہیں مگر تمہیں شعور نہیں''۔ شہداء پر ہمیشہ فرشتوں کا سایہ رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر محبّ وطن مسلمان کی خواہش ہے کہ وہ شہید ہو جائے۔ ہمارے شہداء پاکستان کی حفاظت کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ اس کتاب میں مصنف نے بڑی محبت ،عقیدت اور خلوص کے ساتھ شہداء کے حالاتِ زندگی کو سپرد قلم و تاریخ کر کے آنے

والی نسلوں کے لیے ایک خوبصورت تحفہ عطا کیا ہے اوران کے لفظ لفظ میں وطن کی ایک ایسی داستان رقم ہے جس میں خلوص نظر آتا ہے۔ ایسے محبّ وطن لکھاری قوموں کا فخر اور معاشرے کا عظیم اثاثہ ہوا کرتے ہیں۔ یقیناً آنے والی نسلیں ایسے نوجوانوں سے روشنی حاصل کر کے اپنی آنے والی زندگی بہتر گزار سکتی ہیں۔ مجھے انتہائی مسرت ہورہی ہے کہ میں نے ''ہمارے شہداء'' نامی کتاب کو شائع کر کے آپ کے ہاتھوں میں ہیرے، یاقوت اور سونے سے بھی قیمتی کتاب آپ کو تحفہ پیش کی ہے۔ یہ میری سعادت بھی ہے اور عبادت بھی ہے۔ آئندہ مورخین جب بھی شہدائے وطن، شہدائے اسلام، شہدائے افواجِ پاکستان کا تذکرہ کریں گے تو ''ہمارے شہداء'' کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔

آخر میں سب احباب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو ادارہ قلم فاؤنڈیشن کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہے ہیں حالانکہ بقول ڈاکٹر اجمل نیازی اب کتاب کا زمانہ نہیں رہا کیونکہ ہر زمانے کے اپنے کچھ تقاضے ہوتے ہیں اور اب زمانہ نیٹ کا بھی نہیں بلکہ آئی ٹی کا زمانہ ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ کتاب کلچر کا خاتمہ صرف پاکستان میں ہی ہوا ہے ترقی یافتہ ممالک میں آج بھی کتاب لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتی ہے اور ہر اچھی کتاب کا انتظار بھی ہوتا ہے لیکن پاکستان میں کتاب کلچر بہت حد تک کمزور ہو چکا ہے۔ اس پر والدین، اربابِ دانش اور تھنک ٹینک کے سربراہوں کو غور کرنا چاہیے کہ لائبریریاں قبرستانوں کا روپ کیوں دھار رہی ہیں خصوصاً نوجوان نسل کتاب اور اخبار سے کیوں دور ہیں۔ علماء کرام، اساتذہ کرام کو ان امور پر توجہ دینی چاہیے کیونکہ قوموں کے معمار یہی لوگ ہیں۔ ایک سوال یہ بھی ہے کہ

وطن عزیز میں کوئی ایک بھی لیڈر ہے جو اس عنوان پر قوم کی رہنمائی کر سکے؟ اس سوال کے جواب کا ہم شدت سے انتظار کریں گے۔ قارئین کا بے حد شکریہ جو قلم فاؤنڈیشن کی کتابیں پسند کر رہے ہیں۔

علامہ عبدالستار عاصم

31 دسمبر 2016

جرأت اور استقامت کی منفرد تاریخ رقم کرنے والے

میجر جنرل ثناء اللہ نیازی شہید (تمغہ بسالت)

میجر جنرل ثناء اللہ نیازی میانوالی کے نہایت جری اور بہادر فرزند تھے۔ بے شک ایسے لوگوں کا نام ہمیشہ جگمگاتا ہے جو قوم اور ملک کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ جنرل نیازی ایک انتہائی نڈر، جفاکش اور جوانمرد فوجی افسر کے طور پر ہمیشہ یادرکھے جائیں گے۔ انہوں نے اگلے مورچوں پر لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کر کے وطن دشمنوں کو پیغام دیا کہ اس سرزمین کی حفاظت ہم اپنا خون دے کر کرنا جانتے ہیں۔ جنرل شہید نے وفاداری، وفاشعاری، فرض شناسی اور حب الوطنی کی وہ عمدہ مثال پیش کی جسے تادیر یادرکھا جائے گا۔ انہوں نے سروس کے دوران ہر موقع پر بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ سیاچن کا دشوار ترین محاذ ہو یا سوات اور مالاکنڈ کا محاذِ جنگ ان کے عزم میں کبھی کمی نہ آئی۔

جنرل شہید کے بھائی امین اللہ خان سابق ناظم داؤد خیل، رحمت اللہ خان ریجنل پولیس آفیسر ڈیرہ غازی خان اور مدد خان بتارہے تھے کہ انہوں نے فوجی زندگی کا چناؤ بڑی چاہت سے کیا تھا کیونکہ وہ شیروں کی سی زندگی گزارنا چاہتے تھے۔ دشمن سے ڈرنا ان کی سرشت میں شامل نہ تھا۔ شہید کے بھائی کہنے لگے ہمارے حوصلے ذرا بھی پست نہیں ہوئے، ہمارا سر فخر سے بلند ہے کہ ہمارے بھائی نے وطن میں قیام امن اور

استحکام کی خاطر قربانی دی۔ آئی ایس پی آر کے کرنل عارف محمود بتاتے ہیں کہ میں نے جنرل ثناء اللہ شہید کے بہت قریب رہ کر کام کیا۔ وہ فوجی جوانوں کا ہر مسئلہ بڑی توجہ سے سنتے اور پھر اپنا فیصلہ سنا دیتے۔ دلائل سن کر اپنے جاری کردہ حکمنامے کو موقع کی مناسبت سے ڈھال بھی لیتے اور کبھی بھی خفگی یا ناگواری کا اظہار نہ کرتے۔ جوانوں سے ایسے ملتے کہ ان کی تھکن دور ہو جاتی۔ ان کے گھریلو مسائل میں بھی بہت دلچسپی لیتے اور ان کے حل کے لئے کوشاں رہتے۔ سوات اور مالاکنڈ میں ان کے دور میں مختلف چیلنجز اور خطرات آئے لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور شدت پسندوں کے خلاف ان کا عزم مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔ انہوں نے خطرات کا سامنا بڑی خوش اسلوبی اور جواں مردی سے کیا۔ شہادت سے ایک دن قبل بھی انہوں نے ساری رات جوانوں کے ہمراہ افغان بارڈر کے مورچوں پر گزاری تھی۔

میجر جنرل ثناء اللہ نیازی شہید 1960ء میں ایک فرض شناس اور محبِّ وطن پولیس افسر خلاص خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ جنرل شہید کا آبائی علاقہ داؤد خیل ضلع میانوالی میں ہے۔ آپ نیازی قبیلے کی ایک شاخ علاول خیل کے فرد تھے۔ 1982ء میں پاک فوج میں شمولیت اختیار کی اور پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول چلے گئے۔ آپ کا تعلق فوج کی مایہ ناز انفینٹری کور بلوچ رجمنٹ سے تھا، پی ایم اے کاکول سے عسکری تربیت کی تکمیل کے بعد یونٹ 11 بلوچ اور بعد ازاں 60 بلوچ کا حصہ بنے۔ آپ نے ملک بھر میں خدمات انجام دیں۔ اقوامِ متحدہ امن مشن میں شامل ہو کر کئی ممالک میں بھی تعینات رہے۔ 2012ء میں عسکری صلاحیتوں اور تجربے کے پیشِ نظر انہیں

میجر جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی اور شہادت سے صرف آٹھ ماہ پیشتر سوات اور مالاکنڈ ڈویژن میں فوج کے (جی او سی) جنرل آفیسر کمانڈنگ کی حیثیت سے تعینات کئے گئے۔ اس جری سپوت نے علاقہ بھر کی کمانڈ بڑے احسن طریقے سے سنبھالی اور بہترین حربی صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے وطن دشمن عناصر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ جنرل ثناءاللہ کا جذبہ اور پختہ عزم ان کے ساتھی فوجی افسروں اور سپاہیوں کے لئے بھی نہایت تقویت کا باعث بنا۔ قوم نے اس بہادر جنرل کو جو فرض سونپا تھا انہوں نے اس کا خوب حق ادا کیا اور صرف آٹھ ماہ کی قلیل مدت میں مالاکنڈ اور سوات سے دہشت گردوں کا بڑی حد تک صفایا کر دیا اور اسی راہ پر چلتے ہوئے آخر کار اپنی جان قربان کر دی۔ مورخہ 15 ستمبر 2013ء بروز اتوار بن شاہی (اپر دیر) کے علاقہ میں پاک افغان بارڈر پر اگلے مورچوں کے دورے سے واپس آتے ہوئے ان کی گاڑی دہشت گردوں کی جانب سے لگائی ہوئی آئی ای ڈی IED کا نشانہ بنی جس سے آپ نے اپنی یونٹ کے کمانڈر کرنل توصیف اور لانس نائیک عرفان ستار کے ہمراہ جام شہادت نوش کیا۔

میجر جنرل ثناءاللہ نیازی شہید کی نمازِ جنازہ پاک فوج کے خطیب کی امامت میں آبائی علاقہ داؤد خیل ضلع میانوالی میں ادا کی گئی اور اس دلیر جنرل کو داؤد خیل کے شہر خموشاں میں سپردِ خاک کیا گیا۔ یہ علاقہ کی تاریخ کا بہت بڑا جنازہ تھا۔ اس موقع پر علاقہ بھر کے کاروباری مراکز اور دفاتر بند رہے۔ لوگ جوق در جوق ان کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے اور ہر آنکھ اشک بار رہی۔ ان کی شہادت نے ہر ایک کو غم زدہ کیا اور ان کی جدائی سے ہر دل دُکھا۔ جنرل شہید کی میت کا تابوت

قومی پرچم اور ان کی یونٹ کے پرچم میں لپٹا اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ انہوں نے اپنی ''قسم پریڈ'' کی لاج رکھی اور قوم سے کیا گیا عہد نبھا کر اپنا آج اس کے کل پر قربان کر دیا۔ انہی بہادر فرزندوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے جوش ملیح آبادی نے کہا تھا ؎

قسم ان سورماؤں ، ان جیالوں ، ان دلیروں کی
دبک جاتی ہے جن کے روبرو ڈھکار شیروں کی
قسم ان غازیوں کی ، خون میں جو ناؤ کھیتے ہیں
قسم ان کی جو زیر کنج مرقد سانس لیتے ہیں
قسم ان من چلوں کی ، موت کو جو زیر کرتے ہیں
مَنوں مٹی کے نیچے دفن ہو کر بھی ابھرتے ہیں

◆......◆......◆

مشرقی پاکستان محاذ کا ایک گمنام ہیرو

کیپٹن ایز د امتیاز علی شہید (ستارۂ جرأت۔تمغہ جنگ)

سانحہ مشرقی پاکستان ہماری تاریخ کا ایک المناک اور سیاہ ترین باب ہے، اسے جب بھی زیر بحث لایا جاتا ہے وطن عزیز کے ہر محب وطن شہری کا دل خون کے آنسو روتا ہے تاہم ہمیں اپنی افواج کے اُن لاتعداد شہداء، غازیوں اور ہیروز کی قربانیوں کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے جنہوں نے اپنے لہو سے چراغ روشن کر کے مشرقی پاکستان میں پھیلے اندھیرے کو ختم کرنا چاہا لیکن صد افسوس کہ ان جوانوں اور ہیروز کی قربانیاں ہماری عاقبت نا اندیش قیادت کی وجہ سے رائیگاں چلی گئیں اور وطن عزیز دو لخت ہو گیا۔ تاریخ کے اس افسوسناک باب کو سانحہ مشرقی پاکستان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جن قومی ہیروز نے اس موقع پر غیر معمولی جرات، استقامت اور بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی دھرتی ماں کی حفاظت کا فرض ادا کیا ان میں ایک نام کیپٹن ایز د امتیاز علی شہید کا ہے۔

کیپٹن ایز د امتیاز علی شہید 1946ء میں شیخ امتیاز علی (مرحوم) کے ہاں بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ ملٹری کالج جہلم سے ایف ایس سی کرنے کے بعد آئی ایس ایس بی کے امتحان میں کامیاب ہو کر 2 فروری 1968ء کو فوج میں شمولیت اختیار کی اور پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول میں فوجی تربیت پائی۔ پی ایم اے کاکول

سے پیراٹروپر کا خصوصی کورس بھی کیا۔ پاسنگ آؤٹ کے بعد کیپٹن ایز دامتیاز علی شہید کی تعیناتی انفینٹری کور' پنجاب رجمنٹ کی یونٹ 6 پنجاب میں ہوئی۔شہید کے ماموں اور معروف علمی وفکری شخصیت محمد سمیع اللہ صاحب (سابق وفاقی سیکرٹری) بتا رہے تھے کہ آپ بہت خوبصورت جوان تھے۔ گورا رنگ، چھ فٹ سے نکلتا قد، نیلی آنکھیں' غرض آپ بہت خوش وضع اور وجیہہ شخصیت کے مالک تھے۔ جب ہم ان کی پاسنگ آؤٹ پریڈ کے موقع پر پی ایم اے کاکول گئے تو دیکھا کہ ان کی اسی بارعب شخصیت کی بنا پر انہیں سب سے آگے کھڑا کیا گیا تھا۔

مشرقی پاکستان میں جب انڈیا کی بھرپور مداخلت سے بغاوت کی آگ بھڑکنے لگی تو وطن عزیز کے عوام کی طرح اس فوجی افسر کا دل بھی پسیج کر رہ گیا اور انہوں نے اس موقع پر غیر معمولی بہادری اور حب الوطنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو رضا کارانہ طور پر پیش کر دیا کہ وہ ہر صورت اپنے وطن کو مستحکم اور متحد دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کی یونٹ 6 پنجاب رجمنٹ نے چونکہ اس جنگ میں باقاعدہ حصہ نہیں لیا تھا لہٰذا آپ نے اپنا نام اس بٹالین میں لکھوا دیا جو مشرقی پاکستان جا رہی تھی، یوں انہیں ان کی رضا کارانہ پیشکش کے تحت اپریل 1971ء میں مشرقی پاکستان کے دفاع کے لئے بھیج دیا گیا۔ کیپٹن ایز دامتیاز علی شہید نے اس علاقہ میں پہنچ کر خداداد صلاحیتوں اور فطری بہادری کو کام میں لاتے ہوئے اپنے وطن کو متحد رکھنے کے لئے ایک خوفناک جنگ کا سامنا کیا اور اپنے لہو کے آخری قطرے تک دشمن سے برسرِ پیکار رہے۔

21 اور 22 نومبر 71ء کی درمیانی شب ان کی بٹالین کو علاقہ چگواچا جیسور سیکٹر مشرقی پاکستان کے دفاع کا ٹاسک سونپا گیا۔ ان کی بہادر بٹالین نے 23 نومبر کو یہ ٹاسک مکمل کیا اور دشمن کے کسی بھی حملے کے لئے نمٹنے کے لئے مکمل طور پر تیار تھی۔ اسی

محاذ پر مورخہ 2 دسمبر کو دشمن نے بڑا حملہ کیا اور پلاٹون کمانڈر کیپٹن ایز د امتیاز علی نے اپنے ساتھیوں سمیت دشمن کی کثیر تعداد جو کہ ٹینکوں، توپوں اور بھاری اسلحہ سے لیس تھی کا بڑی ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس سے اگلے روز دشمن نے اس پلاٹون کو سخت ترین فضائی حملوں سے نشانہ بنایا جس سے پلاٹون کی پی آر گن تباہ ہوگئی اور یہ مختصر فوجی دستہ دشمن کے شدید حملے کو روکنے میں ناکامی سے دوچار ہوا۔ اسی معرکہ کے دوران کیپٹن ایز د امتیاز علی لاپتہ ہوگئے اور چند روز بعد ان کی شہادت کی مصدقہ خبر ملی۔ آپ نے جیسور سیکٹر میں پلاٹون کمانڈر کی حیثیت سے اس سرزمین کی خاطر اپنی جان قربان کی۔

کیپٹن شہید تقریباً چھ ماہ تک مشرقی پاکستان محاذ پر فرائض انجام دیتے رہے۔ اس دوران دو تین دن کے لئے گھر چھٹی آئے اور انہوں نے اہل خانہ کو مشرقی پاکستان کے خوفناک حالات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ گو ہر طرف مایوسی کے اندھیرے ہیں لیکن میں انشاء اللہ اپنی دھرتی کے دفاع کی جنگ اپنے خون کے آخری قطرے تک لڑوں گا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک جگہ ان کا گزر ایسی جگہ سے ہوا جہاں مکتی باہنی کے دہشت گرد معصوم بہاریوں اور ان کے بچوں کو مار رہے تھے جس پر میں نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ ان دہشت گردوں پر گولیاں برسا دو' اس طرح ہم نے وہاں مکتی باہنی دہشت گردوں کا قلع قمع کیا۔

آپ کو شہادت کا اس قدر شوق دامن گیر تھا کہ ان کے ماموں اور بھائی بتانے لگے کہ اکثر ذاتی ڈائری پر اپنے نام کے ساتھ ''شہید'' اور ''ستارہ جرات'' جیسے الفاظ لکھا کرتے۔ شہید کے تین بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ اسجد امتیاز' سعد امتیاز حیات ہیں جبکہ والد اور بڑے بھائی عابد امتیاز جو پولیس میں ایس ایس پی تھے وفات پا چکے

ہیں۔کیپٹن ایز دامتیاز علی شہید کا گھرانہ اوران کا خاندان نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ شہید کے ماموں، بہن بھائی اوران کا خاندان اس بات فخر محسوس کرتا ہے کہ ان کے فرزند نے سرزمین وطن کے دفاع کی خاطراپنی خوبصورت جوانی ایک خوفناک جنگ کی نذرکرتے ہوئے اپنے عہد کے مطابق اپنی جان قربان کر دی۔پاک فوج کے اس بہادرافسر کی بے مثال جرأتِ رندانہ کو سراہتے ہوئے انہیں بعد از شہادت ستارہ جرات،تمغہ جنگ جیسےفوجی اعزازات سےنوازا گیا۔

◆......◆......◆

آرمڈ کور کا ایک جانباز، معرکہ چھمب جوڑیاں کا فاتح

اے ایل ڈی' غلام مہدی خان شہید (تمغۂ جرأت)

چھ ستمبر کے معرکہ چھمب جوڑیاں میں ہمارے جن قومی ہیروز نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ان میں ایک نام غلام مہدی خان کا بھی ہے ۔ ان کا شمار اُن جانبازوں میں ہوتا ہے جنہوں نے بڑی جرأت اور استقامت کے ساتھ دشمن فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے اسے ناکامی سے دوچار کر ڈالا اور اپنی جان اس دھرتی پر نچھاور کر دی ۔غلام مہدی خان کا تعلق علاقہ کوٹیڑہ بھٹیاں تلہ گنگ ضلع چکوال سے تھا، والد کا نام احمد خان تھا۔آپ بچپن ہی سے محنتی اور جفاکش تھے،فوج میں آنے کے بعد فوجی کام بہت لگن اور شوق سے سیکھا۔آپ کا شمار اپنی یونٹ کے مایہ ناز سپاہیوں میں ہوتا تھا، بڑے خوش مزاج اور بہادر صفت انسان تھے۔

جس وقت انہوں نے جام شہادت نوش کیا اس وقت پاک آرمی کی آرمڈ کور میں بطور ایکٹنگ لانس دفعدار (ALD) خدمات انجام دے رہے تھے۔آرمڈ کور میں آپ نے عسکری اور حربی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ کھیل کے میدانوں میں بھی اپنا لوہا منوایا۔شہید معروف کھلاڑی تھے اور باسکٹ بال کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔

جب بزدل ہندو دشمن نے رات کی تاریکی میں پاک وطن پر حملہ کیا تو ان دنوں غلام مہدی خان چھٹی پر گھر آئے ہوئے تھے۔ جنگ شروع ہوتے ہی انہیں اپنی یونٹ

سے بلاوا آیا اور وہ دیوانہ وار اس پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھے۔ جب آپ یونٹ میں پہنچے تو حکم ملا کہ آپ ایک کھلاڑی ہونے کے ناطے ایڈمن ڈیوٹی کریں گے اور محاذ پر نہیں جائیں گے۔ غلام مہدی خان نے اپنی فطری بہادری اور جرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ قوم پر آنے والی اس کڑی آزمائش میں دشمن کے خلاف باقاعدہ لڑیں گے اور اپنی خدمات رضا کارانہ طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کی ذاتی خواہش اور بھرپور اصرار پر ایک خصوصی اجازت نامے کے تحت انہیں چھمب جوڑیاں سیکٹر پر بھیج دیا گیا۔

شہید کے پوتے کیپٹن عاقب شہزاد بھٹی بتا رہے تھے کہ جب میری دادی اماں ان کی جرأت مندانہ داستان سناتیں تو کانپ سی جاتی تھیں، وہ بیان کرتیں کہ جنگ چھڑی تو آپ کے دادا کو اس میں شمولیت کا از حد شوق تھا اور جب انہیں محاذ پر جانے کی اجازت ملی تو وہ بہت زیادہ خوش ہوئے تھے۔ وہ اس لئے خوش تھے کہ ان کا وہ دیرینہ خواب مکمل ہونے والا تھا جس کے لئے انہوں نے آرمی جوائن کی تھی۔

غلام مہدی شہید کے قریبی دوست زور خان کہتے ہیں کہ جب وہ محاذِ جنگ پر جانے لگے تو ان سے آخری ملاقات کی۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے اب جنگ کے بعد ملاقات ہوگی۔ میری یہ بات انہیں ناگوار گزری اور بڑے جذبے سے کہنے لگے کہ آپ یہ دعا کیوں نہیں کرتے کہ میں دشمن کے خلاف لڑتے ہوئے اس دھرتی پر قربان ہو جاؤں اور شہادت کے درجے پر فائز ہو جاؤں۔ معرکہ چھمب جوڑیاں میں آپ کا حوصلہ اور عزم نہایت بلند رہا اور دشمن کی گولہ باری، شیلنگ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ نے اس محاذ پر بڑی ثابت قدمی دکھائی۔

غلام مہدی اپنے ٹینک پر سوار جنگ میں حصہ لے رہے تھے کہ ایک اینٹی ٹینک

مارٹر نے ان کے ٹینک کو ہٹ کیا جس سے اس کی چین ٹوٹ گئی۔ غلام مہدی اور ان کے ساتھیوں نے ٹینک سے نیچے اتر کر آڑ ڈھونڈنے کی کوشش کی تاکہ دشمن کے خلاف ہلکے ہتھیاروں سے لڑا جا سکے۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک اوٹ میں ہو گئے جب کہ ان کا ایک ساتھی ٹینک سے اترتے ہی شدید زخمی ہو گیا۔ مہدی خان اپنے اس زخمی سپاہی کو یوں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے، چنانچہ وہ ایک بار پھر آگے بڑھے اور برستی گولیوں میں اس کے پاس پہنچے اور اسے سہارا دے کر تیزی کے ساتھ اپنے مورچے کی جانب پلٹے اور اسے محفوظ جگہ پر پہنچایا۔ اسی اثنا میں ایک سنسناتی گولی آئی جو انہیں شدید زخمی کر گئی جس کے نتیجہ میں آپ نے جام شہادت نوش کیا۔ مہدی خان نے جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ساتھی کی جان بچائی تھی۔ اس غیر معمولی بہادری اور جانبازی کی بنیاد پر انہیں تمغہ جرأت عطا کیا گیا۔

شہید کے پوتے کیپٹن عاقب شہزاد بھٹی بتاتے ہیں کہ میرے دادا مہدی خان شہید کا یہ میڈل مجھ میں بہت بڑی تحریک کا ذریعہ ہے، میں اپنے دادا کے کارہائے نمایاں سے متاثر ہو کر فوج میں شامل ہوا اور میں ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس دھرتی کے تحفظ کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔

◆......◆......◆

جو تیرگی سے لڑے آفتاب کی مانند

کیپٹن حسان عابد شہید (تمغہ بسالت)

کیپٹن حسان عابد 16 نومبر 1979ء کو بہاولپور میں ڈاکٹر عابد (آرتھو پیڈک سرجن بہاولپور وکٹوریہ ہسپتال) کے ہاں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر عابد کا یہی ایک بیٹا تھا اس کے علاوہ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ حسان عابد بہت ہی ہنس مکھ، حساس اور نہایت اچھے انسان تھے۔ ڈاکٹر عابد کی دیرینہ خواہش تھی کہ ان کا بیٹا ایک کامیاب ڈاکٹر بنیں لیکن حسان عابد ایک افسر کی حیثیت سے آرمی جوائن کرنا چاہتے تھے۔ ان کی شادی 28 فروری 2009ء کو ہوئی اور شہادت کے وقت ان کی بیٹی عنائیہ کی عمر ایک سال تھی جبکہ ان کا بیٹا ان کی شہادت کے چار ماہ بعد پیدا ہوا جس کا نام محمد بن حسان رکھا گیا۔ کیپٹن حسان اپنے والدین کے بہت ہی لاڈلے اور نہایت فرمانبردار بیٹے تھے، انہوں نے اپنی والدہ جو کہ کینسر کی مریضہ تھیں کی دن رات خدمت کی۔ وہ صوم وصلوٰۃ کے بہت پابند اور تہجد گزار تھے۔ وہ ہر وقت اپنے رب سے والدہ کی صحت یابی کی دعا کرتے۔

کیپٹن حسان کی شادی کے صرف چار ماہ بعد ان کی والدہ کا انتقال ہوا اور ڈیڑھ سال بعد وہ خود بھی جام شہادت نوش کر کے اپنی والدہ کے پہلو میں جا لیٹے۔ ان کی اہلیہ انعم حسان اپنے شہید شوہر کی یادیں تازہ کر رہی تھیں اور اس شہیدِ وطن کی

داستانِ وفا شعاری میرا قلم کما حقہ رقم کرنے سے قاصر تھا۔

کیپٹن حسان عابد نے 2002ء میں کمیشن حاصل کیا اور یونٹ 173 میڈیم رجمنٹ آرٹلری (توپ خانہ) میں تعینات ہوئے۔ جنوری 2010ء میں وہ شدت پسندوں کے خلاف "آپریشن المیز ان" میں شریک ہوئے اور وریکی جانی خیل ایف آر بنوں میں فورسندھ رجمنٹ (انفینٹری) کے ساتھ بطور بیٹری کمانڈر فرائض انجام دینے لگے۔ انہوں نے رضا کارانہ طور پر کوئیک ری ایکشن فورس (QRF) کی کمانڈ سنبھالی اور وریکی جانی خیل سے جانی خیل تک گشتی پارٹی کی قیادت کرنے لگے۔ یہ تمام راستہ بہت ہی خطرناک تھا، راستے کو صاف کرنا، بارودی سرنگوں کی نشاندہی کر کے انہیں ناکارہ بنانا اور دشمن کے دیگر تخریبی حربوں کو ناکام بنانے کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا۔ وہ ہمیشہ رضا کارانہ طور پر اس طرح کے چیلنجز کو قبول کرتے۔

آٹھ فروری کی رات وہ کوئیک ری ایکشن فورس کی کمانڈ کرتے ہوئے گشت کر رہے تھے کہ جانی خیل پل کے نیچے نصب ریموٹ کنٹرول دھماکہ ہوا جس کے نتیجہ میں آپ نے جام شہادت نوش کیا۔ ان کی بہادری، اپنے فرائض کو بخوبی انجام دینے اور خطرات سے نمٹنے کی بنا پر تمغہ بسالت سے نوازا گیا۔ ان کی اہلیہ انعم حسان نے بتایا کہ شہادت سے صرف تین دن پیشتر انہوں نے کہا تھا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو انہیں والدہ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔

انعم حسان کہنے لگیں کہ جس وقت ایک فوجی تقریب میں مائیک پر پکارا گیا کہ: "کیپٹن حسان عابد، 173 میڈیم بنوں کے علاقے میں آپریشن المیز ان میں اپنے

فرائض کی تکمیل کے دوران شہید ہوئے، ان کو اس جرات مندانہ اقدام اور بہادری پر تمغہ بسالت سے نوازا جاتا ہے۔" جب یہ الفاظ میرے کانوں میں پڑے تو جہاں ایک طرف مجھے از حد خوشی محسوس ہو رہی تھی وہیں میں ماضی کی حسین یادوں میں کھو گئی اور حسان کے ساتھ گزرا ایک ایک لمحہ یاد آنے لگا۔ 28 فروری 2009ء کو جب وہ میری زندگی میں آئے تو محسوس ہوا کہ مجھے بہت ہی اچھا ہمسفر مل گیا۔ ان کی رفاقت میں گزرے دو سال ایک حسین خواب معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی فیملی کا شمار تعلیم، تہذیب اور شرافت کے لحاظ سے بہاولپور کے چند نمایاں خاندانوں میں ہوتا تھا۔ حسان عابد حوصلوں، ولولوں اور مسکراہٹوں کی ایک عمدہ مثال تھے۔ وہ ایک ہمدرد، ملنسار اور ایثار پیشہ شخص تھے۔ وہ اپنے ہر رشتے کو بخوبی نبھانا جانتے تھے۔ ایک فرمانبردار بیٹا، محبت سے چھلکتا ہوا دوست، شفیق باپ اور وفادار شوہر اور سب سے بڑھ کر کہ وہ معاشرے کے ایک مثالی فرد تھے۔ شادی کی پہلی سالگرہ کا تحفہ مجھے ان کی بنوں پوسٹنگ اور پھر المیز ان آپریشن میں شرکت کی صورت میں ملا تھا۔ جب مجھے پتہ چلا تو میں بچوں کی طرح رونے لگی، انہوں نے جس جرات اور حوصلے کے ساتھ میری ڈھارس بندھائی میں وہ کبھی بھول نہ پاؤں گی۔

7 فروری کی رات تین بجے ہماری فون پر گفتگو ہوئی۔ میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ میں یہ آواز پھر کبھی نہ سن پاؤں گی، اس کے چند گھنٹے بعد ہی مجھے ان کی شہادت کی خبر مل گئی۔ 8 فروری کی صبح ساڑھے آٹھ بجے ان کے نمبر سے فون آیا لیکن بات نہیں ہو پا رہی تھی، بار بار کال ڈراپ ہو جاتی۔ کافی مرتبہ فون ملانے کے بعد ایک اجنبی آواز

ابھری۔ دوسری طرف سے کوئی بول رہا تھا کہ سر کی مسز کی کال ہے انہیں کیا بتایا جائے.....؟

یہ بات میرے دماغ، میرے جسم کو سن کرنے کے لئے کافی تھی۔ میں نے فوراً پی ٹی سی ایل سے حسان کی بنوں یونٹ میں فون ملایا۔ حسان بنوں سے آگے جانی خیل میں تھے۔ یونٹ میں فون ملایا تو Adjutant سے بات ہوئی، وہ کہنے لگے فکر نہ کریں سب ٹھیک ہے۔ ابھی میں نے فون رکھا ہی تھا کہ میرے بہنوئی بریگیڈیئر طاہر اسلم کا فون آ گیا۔ میں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا کہ کیا ہوا حسان کو؟

کہنے لگے دیکھو تم حوصلہ مت ہارنا اور بہادری کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنا۔ حسان کی جیپ بارودی سرنگ سے ٹکرا گئی ہے اور اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے ۔جس وقت حسان کو ان کی وصیت کے مطابق والدہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا اور ان کی قبر پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کی جارہی تھیں تو میں ان کی قبر پر کھڑی سوچ رہی تھی کہ دو سال پہلے یہی دن تھے جب حسان کے والد لوگوں کے جھرمٹ میں کھڑے ان کی شادی کی مبارکبادیں وصول کر رہے تھے، ہر طرف پھول ہی پھول تھے اور اب دو سال بعد وہی مہینہ، وہی پھولوں کی پتیاں، وہی لوگوں کا ہجوم.....انعم حسان کہنے لگیں کہ حسان عابد کی شہادت نے مجھے بہت دکھی کر دیا لیکن پھر سوچتی ہوں کہ جو مقام میرے شہید شوہر نے مجھے دیا وہ بلاشبہ ایک فاتح مومن ہی اپنے ہمسفر کو دے سکتا ہے۔ ان کی شہادت کے چار ماہ بعد ان کا بیٹا محمد بن حسان پیدا ہوا۔ لوگ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بڑے لوگوں کے کارہائے نمایاں بیان

کرتے ہیں مگر میرے بچوں محمد بن حسان اور عنائیہ کے لئے ان کے بہادر باپ کی جرأت مندانہ زندگی، ان کی دلیرانہ شہادت، ان کی یونیفارم میں لٹکی تصویر اور اس کے ساتھ آویزاں تمغہ بسالت ہی بہترین مشعل راہ ہوگا۔ حسان عابد شہید کو خراج تحسین پیش کرتا ایک شعر ؂

جو تیرگی سے لڑے آفتاب کی مانند
بلند ہیں جو فضا میں عقاب کی مانند

◆......◆......◆

پاک شاہینوں، فضا کے شہریاروں کو سلام

سینئر ٹیکنیشن محمد ندیم اعوان شہید

ہماری بری فوج کی طرح پاک فضائیہ بھی دفاع وطن کی خاطر ہمیشہ سینہ سپر رہی ہے۔ پاک فضائیہ کے شاہینوں کا عزم ہے کہ ہر طرح کے خطرات مول لے کر بھی مادرِ وطن پر کوئی آنچ نہ آنے دیں گے۔ ندیم اعوان شہید کا تعلق فضائیہ کے انہی شاہینوں سے تھا، جب وطن دشمنوں نے ان کے ایئر بیس پر حملہ کیا تو انہوں نے اپنی جان پر کھیل کر اپنے اس ہوائی اڈے کی حفاظت کی۔ شہید کے بھائی عُزیر اعوان اور کزن عزیز اعوان بتا رہے تھے کہ ندیم شہید اپنے ملک' دھرتی اور وطن کے استحکام کی خاطر جان لٹا دینے کو سعادت سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنی سولہ سالہ سروس کے دوران بہت ہی محنت اور خلوص سے کام کیا، انہیں اپنے شعبے سے بہت زیادہ محبت تھی۔ انہیں جو قومی فرض سونپا گیا تھا اسے کما حقہ بجا لانے میں ہمیشہ سرگرم رہتے۔

آپ مورخہ 10 جولائی 1979ء کو تحصیل تلہ گنگ ضلع چکوال کے ایک گاؤں بھلو مار میں محمد فضل الرحمٰن اعوان کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں سے حاصل کی اور میٹرک سائنس کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول تلہ گنگ سے پاس کیا۔ بعد ازاں تین سالہ ڈپلومہ آف ایسوسی ایٹ انجینئرنگ

(مکینیکل) کیا۔10 جولائی 1999ءکو پاکستان ایئر فورس میں بحیثیت ایئر مین
بھرتی ہوئے اور پھر جونیئر ٹیکنیشن اور سینئر ٹیکنیشن کے رینکس پر ترقی حاصل کی۔
دوران سروس مزید تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور پرسٹن یونیورسٹی اسلام آباد سے
بی ٹیک آنر (مکینیکل) کا امتحان پاس کیا۔

انہوں نے فضائیہ کی ابتدائی ٹریننگ پی ٹی ایس کوہاٹ سے اور اپنے
ٹریڈ (جنرل فٹر) کی فنی تربیت پی اے ایف بیس کورنگی کریک کراچی سے
کی۔آپ اپنے شعبے میں انتہائی دلچسپی اور لگن کی بنیاد پر کام کرتے اور ایک قابل
ٹیکنیشن کے طور پر جانے جاتے تھے۔اسی اعلیٰ ٹیکنیکل مہارت کی بنا پر آپ کو ایئر
فورس کے سپیشل ٹاسک گروپ (ایس ٹی جی) میں شامل کیا گیا تھا۔آپ نے پی
اے ایف کی مختلف بیسز پر خدمات انجام دیں جن میں پی اے ایف بیس چکلالہ،
مسرور بیس کراچی، سمنگلی بیس کوئٹہ قابل ذکر ہیں۔آخری تعیناتی بڈھ بیر ایئر بیس
پشاور میں ہوئی۔

محمد ندیم شہید 18 ستمبر 2015ءکو اپنی ڈیوٹی پر موجود تھے کہ دہشت گردوں
نے ان کے کیمپ پر حملہ کر دیا۔انہوں نے اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ مردانہ وار
لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اور اپنے اس مرکز کی حفاظت کی خاطر خون کا
آخری قطرہ تک بہا دیا۔اس حملے میں پاک فوج کے کیپٹن اسفندیار بخاری بھی
شہید ہوئے۔ندیم شہید کو اپنے آبائی شہر تلہ گنگ میں پورے فوجی اعزاز کے ساتھ
سپرد خاک کیا گیا۔ضمیر جعفری کے یہ اشعار ندیم شہید جیسے فضائیہ کے شاہینوں کے

نام ہیں ۔

پاک شاہینوں فضاء کے شہریاروں کو سلام
آسمان پر زمین کے چاند تاروں کو سلام
تم فضاؤں میں وطن کی سرزمین کے پاسباں
تم ہواؤں میں خراماں، تم خلاؤں میں رواں
وادیوں، آبادیوں، دریاؤں اور صحراؤں میں
فوج بڑھتی ہے تمہارے شہپروں کی چھاؤں میں
نوجوانوں کو سلام، ان کی اڑانوں کو سلام
آسماں پر تیرتی پھرتی چٹانوں کو سلام

◆......◆......◆

صلۂ شہید کیا ہے؟ تب و تاب جاودانہ

لیفٹیننٹ کرنل افتخار احمد جمیل شہید (تمغہ بسالت)

وہ نہایت زندہ دل انسان تھے، ان کا چہرہ ہمہ وقت تبسم لئے رہتا، دوسروں کے دکھ سکھ میں وہ ہمیشہ شریک رہتے، پوری زندگی کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا تھا، انہیں غصہ بہت کم آتا، وہ وطن کی حفاظت کی خاطر اپنی جان کو کھپا دینے والے انسان تھے، فوجی کیئریئر کا انتخاب کرتے وقت انہوں نے کہا تھا مجھے پتہ ہے یہ پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کی راہ گزر ہے لیکن میرا جنون ہے کہ پاک فوج میں افسر کی حیثیت سے شمولیت اختیار کروں اور اس دھرتی کے لئے کچھ کر کے اپنا نام تاریخ کے صفحات پر روشن کر جاؤں۔ وہ نہایت اچھے نعت خوان اور مقرر بھی بلا کے تھے، فوجی تقریبات میں نعت خوانی اور نقابت کا سہرا انہی کے سر سجتا۔ شہیدِ وطن لیفٹیننٹ کرنل افتخار احمد جمیل کی اہلیہ محترمہ آمنہ افتخار اپنے شہید شوہر کی یادیں تازہ کر رہی تھیں اور مجھے اس بہادر و باہمت خاتون کے لب و لہجے پر رشک آ رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ جس قوم کی بیٹیاں آمنہ افتخار جیسی پر عزم اور صبر و رضا کی پیکر ہوں اسے بھلا کون شکست سے دوچار کر سکتا ہے۔ مجھے ان کی گفتگو سے کہیں سے بھی ایسا تاثر نہیں مل رہا تھا کہ انہیں اپنے شوہر کی شہادت پر کہیں کوئی مایوسی ہو۔

آمنہ افتخار کہنے لگیں اپنے پیاروں کے بچھڑنے کا غم بھلا کسے نہیں ہوتا، وہ تو ایک

لازم امر ہے کہ جانے والوں کو کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ میرا خدا جانتا ہے کہ میں اپنے شہید شوہر کی یادوں کو کس طرح سینے سے لگائے رکھتی ہوں۔ ان کی حسین یادیں، ان کے ساتھ گزرے ماہ وسال، ان کی رفاقت میں بیتے نو سال کے طویل عرصے کا ایک ایک پل جب یاد آتا ہے تو دل کی بے کلی بڑھ سی جاتی ہے۔ ان کی یونیفارم جب بھی دیکھتی ہوں تو دل خون کے آنسو روتا ہے لیکن پھر یہ سوچتے ہوئے دل کو تسلی ملتی ہے کہ میں ایک شہید کی بیوہ ہوں مجھے اس پر فخر کرنا چاہیے اور جس طرح میرے شوہر نے بہادری سے لڑتے ہوئے اس دھرتی پر جان قربان کی مجھے بھی اسی طرح استقامت اور بہادری کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ میرے شوہر جس قدر نیک سیرت انسان تھے، انہوں نے اپنے سولہ سالہ فوجی کیئریئر کے دوران ملک وملت کی جس انداز سے خدمت کی' بے شک اسی کا صلہ ملا کہ باری تعالٰی نے انہیں شہادت کی موت نصیب فرمائی۔ شہادت سے صرف ایک دن پہلے میری ان سے بات ہوئی تو کہنے لگے آمنہ مجھے یہاں دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کے لئے منتخب کیا گیا ہے، مجھے جو قومی فرض سونپا گیا میں اسے بہرصورت بجالانے کی کوشش کروں گا۔ جب میں نے حالات پوچھے تو کہنے لگے حالات بالکل ٹھیک ہیں اور میں جلد آپریشن سے واپس آجاؤں گا۔ محترمہ آمنہ افتخار مجھے شہیدِ وطن کی داستانِ شجاعت سنا رہی تھیں اور اس لمحے میری زبان پر یہ شعر بار بار آرہا تھا ؎

اُف یہ جادہ کہ جسے دیکھ کے جی ڈرتا ہے
کیا مسافر تھے جو اس راہ سے گزر گئے

لیفٹیننٹ کرنل افتخار احمد جمیل بنوں کے علاقہ ایف آر مدی خیل میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے وطن پر قربان ہوئے اور حیاتِ جاوداں پا گئے۔ انہوں نے

جس جرات اور پامردی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا بلاشبہ اپنے پیش رووں میجر عزیز بھٹی، شبیر شریف اور کیپٹن کرنل شیر خان جیسے قابل فخر سپوتوں کے جانشین ہونے کا حق ادا کر دیا تھا۔

آپ مورخہ 20 اکتوبر 1975ء کو ممتاز آباد ملتان شہر میں فضل محمد کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی سکول سے حاصل کی، 10th کلاس میں پہنچے تو پی ایم اے کاکول چلے گئے۔ یہاں سے ایف ایس سی کرنے کے بعد 1997ء میں کمیشن حاصل کیا اور 94 لانگ کورس کا حصہ بن کر عسکری تربیت کے مدارج طے کئے۔ پی ایم اے کاکول سے پاسنگ آؤٹ کے بعد پاک فوج کے مایہ ناز ونگ ایئر ڈیفنس کا حصہ بنے۔ خداداد صلاحیتوں کی بنا پر جلد ترقی کرتے گئے اور کیپٹن، میجر اور پھر 2013ء میں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی پائی۔ دورانِ سروس ملک کے مختلف علاقوں اور بیرون ممالک سعودی عرب، کانگو، ساؤتھ افریقہ، دبئ میں ڈیوٹی کے فرائض انجام دیئے۔ سیاچن میں عرصہ دو سال تک دشمن فوجوں کے خلاف سینہ سپر رہے۔

مئی 2015ء میں آپ عسکری قیادت کے حکم پر اپنی یونٹ کے ہمراہ بنوں پہنچے اور بنوں و دیگر علاقوں میں مجاہدانہ اور دلیرانہ انداز سے دہشت گردوں کے خلاف صف آرا ہوئے۔ انہوں نے علاقہ بھر کا کنٹرول سنبھالا اور دشمن کی راہ میں سدِ سکندری بنے رہے، صرف ایک ماہ کی قلیل مدت میں شدت پسندوں کو بھاری نقصان پہنچایا۔ اس دلیر کمانڈر کی ہیبت سے دشمن مسلسل پسپا ہوتا چلا گیا۔ مورخہ 23 جون 2015ء کو بنوں کے علاقہ ایف آر مدی خیل میں ایک کارروائی کے دوران ان کی گاڑی بارودی سرنگ سے ٹکرا گئی جس کے باعث آپ نے جام شہادت نوش کیا۔ لیفٹیننٹ کرنل افتخار احمد جمیل شہید کی نمازِ جنازہ ملتان میں ادا کی گئی اور انہیں شہداء قبرستان میں سپرد خاک

کیا گیا۔آپ کی جرات اور مجاہدانہ کردار کو سراہتے ہوئے بعد از شہادت تمغہ بسالت عطا کیا گیا۔شہید کی کوئی اولا نہ تھی،انہوں نے پسماندگان میں بیوہ اور والدین کو چھوڑا ہے۔منفرد لہجے کے شاعر ناصر بشیر نے وطن عزیز کے اِن بہادر فرزندوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کیا خوب اشعار کہے ہیں ؎

مرے دیس کے سپاہی ! کہوں کیا ترا فسانہ؟
ترا دم مجاہدانہ' مرا نم ہے شاعرانہ
تجھے عشق موت سے ہے، مجھے زندگی ہے پیاری
ترا عشق مومنانہ' مرا پیار کافرانہ
تجھے کوہسار لکھوں کہ میں جاں نثار لکھوں
تُو جہاں کھڑا ہوا ہے ، وہیں رک گیا زمانہ
تُو جدھر نظر اٹھائے، وہیں معجزے دکھائے
کہ عدو کے واسطے ہے ، تری آنکھ تازیانہ
ترا ہاتھ تیز خنجر ، ترے ہونٹ پھول جیسے
تری بات دلبرانہ ، تری ضرب قاتلانہ
ترے دشمنوں پہ ہیبت ، ترے بعد بھی ہے طاری
تری زندگی کی صورت، تری موت فاتحانہ
تری موت زندگی ہے ، تری قبر روشنی ہے
"صلۂ شہید کیا ہے ؟ تب و تاب جاودانہ"

◆......◆......◆

معرکہ کارگل کا ایک ناقابل فراموش کردار

میجر احمد خان ٹوانہ شہید

میجر احمد خان ٹوانہ شہید 1968ء میں قصبہ ہڈالی ضلع خوشاب میں پیدا ہوئے، والد کا نام محمد خان ٹوانہ ہے۔ آپ کا تعلق علاقہ کی معروف ٹوانہ قوم کی ایک شاخ ڈُڈھل سے تھا۔ میجر شہید نے 1986ء میں ایف اے کرنے کے بعد آرمی جوائن کی، آفیسر ٹریننگ سکول (OTS) منگلا سے فوجی تربیت حاصل کی اور آرمی کی انفینٹری کور، فرنٹیر فورس میں FF-9 یونٹ کا حصہ بنے۔ آپ کو فوجی زندگی سے بہت پیار تھا اور اپنا کام بہت ہی ایمانداری سے کرتے، خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر بہت جلد میجر کے عہدے پر ترقی پائی۔ آپ کی تمام فوجی سروس جہد مسلسل سے عبارت رہی' ہمیشہ ہارڈ ایریاز میں تعینات رہے اور اپنے وطن کے دفاع کی خاطر کمر بستہ رہے۔

باغ آزاد کشمیر میں لائن آف کنٹرول، گلتری چیک پوسٹ، سیاچن اور دیگر سخت علاقوں میں خدمات انجام دیں۔ میجر احمد خان 1993ء میں بطور کیپٹن ایک سپیشل مشن پر صومالیہ بھی بھیجے گئے جہاں انہوں نے اپنے فوجی دستے کے ہمراہ علیحدگی پسند جنگجوؤں سے ایئر پورٹ کا قبضہ چھڑوایا۔

معرکہ کارگل میں اس بہادر فوجی افسر نے ناقابل فراموش کردار ادا کرتے ہوئے بھارتی فوج کو ناکوں چنے چبوائے۔ ان کی استقامت، پامردی اور جم کر لڑنے کا

اعتراف انڈین پریس نے بھی کیا تھا کہ ایک پاکستانی فوجی افسر نے خلیل فرنٹ پر ہمیں مسلسل کئی دن تک پریشان کئے رکھا۔ میجر شہید کے فوجی ساتھیوں، ان کے دوست احباب کا کہنا ہے کہ ان کی بے مثال جرات اور بہادری کی بنا پر انہیں سب سے بڑے فوجی اعزاز نشانِ حیدر کے لئے بھی نامزد (Nominate) کیا گیا تھا، پھر اطلاع ملی کہ انہیں ستارۂ جرأت دیا جائے گا' مگر نہ جانے کیوں انہیں اعزاز سے محروم کر دیا گیا۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ جب بھی معرکہ کارگل کا نام آئے گا اس جرات مند فوجی افسر کا تذکرہ وفا کئے بغیر یہ داستانِ شجاعت کبھی مکمل نہ ہوگی اور آنے والا مورخ انہیں خراج تحسین پیش کئے بغیر نہ رہ پائے گا۔ راقم الحروف اس پر فخر محسوس کرتا ہے کہ اس نے پہلی مرتبہ میجر احمد خان ٹوانہ شہید جیسے عظیم سپوت کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے قلم اٹھایا۔

میجر شہید کا یہ اعزاز ہے کہ انہوں نے معرکہ کارگل میں خود کو رضا کارانہ طور پر پیش کیا اور اس محاذ کی سب سے آگے والی چیک پوسٹ خلیل فرنٹ پر لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ فوجی ضابطے کے مطابق خلیل فرنٹ محاذ پر کسی بھی افسر یا جوان کو 21 دن سے زیادہ تعینات نہیں کیا جاتا تھا اور ٹھیک 21 دن کے بعد ان کی ری پلیسمنٹ بھیج دی جاتی تھی لیکن اس بہادر فوجی افسر کی جراتِ رندانہ کو سلام پیش کیجئے کہ جب بھی ان کی ری پلیسمنٹ بھیجی گئی انہوں نے واپس پلٹنے سے انکار کرتے ہوئے محاذ پر لڑنے کو ترجیح دی، یہی وجہ تھی کہ آپ وہ واحد فوجی افسر تھے جو خلیل فرنٹ مورچے پر مسلسل 54 دن تعینات رہے اور اس سے اگلے دن آپ نے جام شہادت نوش کیا۔ ان مسلسل 54 دنوں میں آپ دشمن کی آنکھ کا کانٹا بنے رہے اور اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ آپ نے ایک سخت اور تھکا دینے والے معرکہ میں اپنی جان اس دھرتی کے دفاع کے لئے

قربان کی۔ یہ لڑائی اس قدر طویل تھی کہ اس بہادر میجر کا جسدِ خاکی چھ دن تک کے بعد ان کے مورچے سے اٹھایا جاسکا تھا۔

شہیدِ وطن کے نہایت قریبی دوست سابق آئی جی پنجاب اقبال خان سنبل کے بیٹے ہمایوں خان سنبل نے راقم الحروف کو بتایا کہ میجر احمد خان ٹوانہ شہید کی داستانِ وفا قلمبند کرنا آسان کام نہیں، وہ بہت ہی عظیم انسان تھے۔ سنبل خاندان اور میجر شہید کے ٹوانہ خاندان کے تعلقات قریب ایک صدی پر محیط ہیں۔ ہمایوں خان میجر شہید کے ایچی سن کالج لاہور میں کلاس فیلو رہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ آپ نے ایم اے کاکول میں بطور پلاٹون کمانڈر بھی کام کیا۔ (یاد رہے کہ پی ایم اے کاکول کا پلاٹون کمانڈر کوئی معمولی عہدہ نہیں اور آنے والے وقت میں پلاٹون کمانڈر کنفرم جنرل ہوا کرتا ہے)۔ میجر ٹوانہ بطور کنڈکٹنگ آفیسر جنرل عبدالوحید کاکڑ کے ہمراہ چولستان میں پاک فوج کی تاریخ ساز ضربِ مومن مشقوں میں بھی شریک رہے۔ علاوہ ازیں فوج میں بیٹ مین کا عہدہ ختم کرنے کے لئے سب سے پہلی رائے میجر احمد خان شہید نے جنرل کاکڑ کو اس وقت دی جب آپ ان کے ساتھ تعینات تھے۔ میجر شہید کا موقف تھا کہ ایک فوجی جوان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اسے بحیثیت بیٹ مین افسروں کی خدمت پر مامور کردیا جائے اور اس سے گھریلو کام کروائے جائیں۔

ان کی زندگی میں تو یہ فیصلہ نہ ہوسکا تاہم بعد میں جنرل پرویز مشرف نے ان کی اسی سوچ کو عملی جامہ پہنایا اور فوج میں بیٹ مین کی پوسٹ مستقل طور پر ختم کردی گئی۔ پی ایم اے کاکول میں ایک جنرل کے زیرِ تربیت بیٹے کو فوجی ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنے پر آپ نے اکیڈمی سے فارغ کروادیا تھا کیونکہ آپ فوجی قوانین کے معاملے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کرنے کے قائل نہ تھے۔

میجر شہید کے قریبی دوست اسسٹنٹ کمشنر سیف اللہ خان سنبل بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم مانسہرہ میں اکٹھے سفر کر رہے تھے کہ انہوں نے ایک جگہ گاڑی رکوا کر مسجد کے گلے میں کچھ پیسے ڈالتے ہوئے کہا کہ جو بھی اللہ کے گھر کی تعمیر میں حصہ لیتا ہے اللہ اس کی دلی مراد ضرور پوری کرتا ہے۔ میں جب بھی مسجد میں چندہ دیتا ہوں تو یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ مجھے شہادت کی موت نصیب فرمائے۔ پھر وہی ہوا اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں شہادت جیسے عظیم منصب پر فائز کر دیا۔ وطن عزیز کے اس دلیر فوجی افسر کی نمازِ جنازہ قصبہ ہڈالی ضلع خوشاب میں ان کے آبائی قبرستان میں ادا کی گئی ،شہید کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کے والد ان کی شہادت سے قبل وفات پا چکے تھے اور بعد میں والدہ بھی اللہ کو پیارہ ہو گئیں، شہید کا ایک ہی بھائی تھا جسے خاندانی دشمنی کی بنا پر قتل کر دیا گیا۔ القصہ اس عظیم انسان اور دھرتی کے بہادر بیٹے کا پورا گھرانہ ہی ختم ہو گیا۔ ان کے بہنوئی حامد محمود ڈھل ٹوانہ علاقائی سیاست میں خوب سرگرم ہیں اور ان کا شمار پاکستان تحریک انصاف کے راہنماؤں میں ہوتا ہے۔ دُعا ہے اس شہیدِ وطن کی تربت پر مولائے کریم کروڑوں رحمتوں کا نزول فرمائے اور کروٹ کروٹ ان کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

◆......◆......◆

بڑھتے ہوئے غازی ہیں کہ چڑھتا ہوا طوفاں

لانس نائیک عدیل اختر شہید (ستارۂ بسالت)

لانس نائیک عدیل اختر شہید کا تعلق ایک فوجی گھرانے سے تھا۔ ان کے والد حوالدار محمد اشرف پاک فوج کی رجمنٹ آف آرٹلری سے ریٹائرڈ ہیں، بڑے بھائی مسعود خان پاکستان ایرفورس میں وارنٹ آفیسر ہیں، نائب صوبیدار جمیل اختر آرٹلری اور صغیر اختر ڈیفنس سروسز گارڈز میں بحیثیت سپاہی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اسی طرح لانس نائیک عدیل اختر شہید کے پورے خاندان اور برادری کا کوئی نہ کوئی فرد آپ کو آرمڈ فورسز میں مل جائے گا۔

عدیل اختر شہید نے 1988ء میں ضلع اٹک کے نواحی علاقہ بسال میں زندگی کی پہلی سانسیں لیں، گورنمنٹ ہائی سکول بسال جو آج کل گورنمنٹ کالج بسال کہلاتا ہے سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ عدیل اختر شہید بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہونے کے ناطے ناز و نعم کا پلا ہوا ایک خوبصورت نوجوان تھا، میٹرک پاس کرنے کے بعد خاندانی اور گھریلو ماحول کا خاطر خواہ اثر اس ننھے ذہن پر بھی پڑا اور عدیل اختر 2004ء میں پنجاب رجمنٹ کے مردان تربیتی کیمپ میں جا پہنچا اور عسکری ٹریننگ کے نشیب و فراز کامیابی سے طے کرنے کے بعد انفنٹری کا حصہ بنا، ان کا شمار اپنی یونٹ 4 پنجاب رجمنٹ کے جری اور محنتی جوانوں میں ہوتا تھا۔ پہلی تعیناتی اوکاڑہ میں ہوئی پھر یہاں

سے وانا پوسٹنگ ہوئی ، لانس نائیک عدیل اختر ایک لمبا عرصہ قبائلی علاقوں میں خدمات انجام دیتے رہے،ان کے بلند حوصلے اور عسکری تجربے کو جانتے ہوئے انہیں جلد لانس نائیک کے عہدے پر ترقی دے دی گئی ،شہادت سے ایک ماہ پیشتر لانس نائیک عدیل اختر چھٹی پر گھر آئے اور آخری عید الفطر گھر والوں کے ہمراہ ہنسی خوشی گزاری،عدیل اختر شہید کو بچوں سے بہت محبت تھی اور وہ ان پر اپنی جان فدا کرتے، ان کے بھتیجے عاصم مسعود آج بھی اپنے اس بہادر چچا کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کی آنکھیں بھیگ سی جاتی ہیں، عاصم مسعود بتاتے ہیں کہ جب ہم عدیل اختر شہید سے قبائلی علاقوں کے حالات وواقعات پوچھتے تو وہ دور کہیں سوچ میں کھو جاتے اور کہتے کہ بیٹا جب فوج کی یونیفارم پہن لی جائے تو پھر یوں سمجھو کے موت کے پروانے پر دستخط کر دیے جاتے ہیں۔

عدیل اختر کی اپنے کزن حوالدار لیاقت شہید سے بے پناہ دوستی تھی ، دونوں اکھٹے ایک ہی گھر میں پلے بڑھے، پروان چڑھے، تعلیمی مدارج طے کیے اور آرمی میں شامل ہو گئے ،عدیل اختر کی شہادت کے بعد لیاقت شہید اکثر اپنے اس بھائی اور بہترین دوست کو یاد کرتے اور بھری دنیا میں خود کو تنہا محسوس کرتے پھر عجب اتفاق دیکھیے کہ کچھ ہی عرصہ بعد حوالدار لیاقت بھی شہادت کے رتبے پر فائز ہو گئے ،ان کا تفصیلی تذکرہ ہم پھر کسی سطور میں کریں گے۔عدیل شہید کے بڑے بھائی مسعود خان نے بتایا کہ عدیل اختر کی بچوں سے محبت اور انس کا یہ عالم تھا کہ ان کے چھٹی آنے کے پورے پورے شیڈول سے گھر کے تمام بچے پہلے سے ہی آگاہ ہوتے ، انہوں نے جہاں کہیں بھی خدمات انجام دیں گھر کے تمام بچوں سے رابطے میں رہے۔

وہ مورخہ آٹھ نومبر 2009ء کی ایک تاریک رات تھی جب لانس نائیک عدیل اختر اوران کے ساتھیوں کو مکین کے علاقہ میں سرچ آپریشن کا حکمنامہ ملا، یہ کل سات نوجوان تھے جن کی کمانڈ ایک حوالدار کررہے تھے، تمام نوجوان آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک دشمن کی جانب سے گولیوں کی ایک بوچھاڑ آئی جس سے ان کے کمانڈر شدید زخمی ہوگئے، چونکہ عدیل اختر شہید ان کے بالکل پاس ہی تھے، انہوں نے کمال جرات اور مردانگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے کمانڈر کو گولیوں کی اس بارش میں اٹھایا اور جلد اپنے مستقر پر پہنچادیا، عدیل اختر شہید کے یہ کمانڈر آج بھی زندہ ہیں اور عدیل اختر شہید کا نام آتے ہی ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں، اس واقعہ کے دوسرے روز یعنی 9 نومبر کو انہیں دوبارہ سرچ آپریشن کا آرڈر ملا، اس باران کے گروپ کی کمانڈ تلہ گنگ کے رہنے والے صوبیدار اکرم کررہے تھے، عدیل اختر شہید کے ان نئے کمانڈر نے ایک IED (بارودی سرنگ) کا کھوج لگایا، انہوں نے اس بہادر اور تجربہ کار لانس نائیک کو اسے ناکارہ بنانے کا کہا، جونہی عدیل اختر نے اسے ناکارہ بنانے کی کوشش کی ایک دم بلاسٹ ہوا جس کے نتیجہ میں لانس نائیک عدیل اختر موقع پر جب کہ ان کے کمانڈر ہیلی کاپٹر پر ہسپتال لے جاتے ہوئے راستے میں دم توڑ گئے اور شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔

11 نومبر 2009ء کی شام چار بجے علاقہ بسال ضلع اٹک کے عوام اور سیاسی، سماجی راہنماؤں نے اپنے اس بہادر محافظ کی نماز جنازہ ادا کی اور آرٹلری کے ایک مستعد دستے نے میجر کی قیادت میں انہیں بسال کے شہر خاموشاں میں لحد میں اتارا۔ 30 اپریل 2012ء کو یوم شہداء کے موقع پر ایک پروقار تقریب میں لانس نائیک عدیل اختر شہید کی جرأتِ رندانہ کو سراہتے ہوئے انہیں ستارہ بسالت سے نوازا گیا۔ رئیس

امروہوی نے یہ اشعار ایسے ہی بہادروں، دلیروں کے متعلق کہے تھے ۔

مسلم کی ہر ایک جنگ میں ہے امن کا عنواں
اک ہاتھ میں تلوار ہے اک ہاتھ میں قرآں
اس لشکر جرار کی کیا شان ہے کیا شاں؟
بڑھتے ہوئے غازی ہیں کہ چڑھتا ہوا طوفاں
جز فتح کوئی منزلِ مقصود نہیں ہے
اب فتح مبیں، فتح مبیں، فتح مبیں ہے

◆......◆......◆

جُراتوں کے پُرستار ہوتم

میجر ذکاءالحق شہید

گندمی رنگت اور دراز قد صوبیدار نے جب پوری قوت کے ساتھ نعرہ تکبیر بلند کیا تو اس کے ساتھ ہی دورویہ انداز سے کھڑے فوجی جوانوں کی رائفلیں اوپر کو اٹھیں اور فضاء میں اس نعرے اور گولیوں کی تڑتڑاہٹ نے عجب سا سماں باندھ کے رکھ دیا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے چوک سرور شہید کے در و دیوار تک لرز اٹھے ہوں اور اللہ اکبر کی یہ صدائے بازگشت دور بہت دور تک گونجتی چلی گئی ہو۔ ایسا لگ رہا تھا گویا پورا شہر ہی امڈ آیا ہو، کیا بچے، بوڑھے اور جوان سبھی پر ایک جوش، جذبہ اور ولولہ سا طاری تھا اور عوام کا جم غفیر تھا کہ بڑی تیزی کے ساتھ ایک سمت کو چلا جا رہا تھا۔ آخر آج کے دن چوک سرور شہید میں ایسا کون سا نیا ہوا کہ دھرتی کا ہر پیر و جواں سب کچھ تج کر ایک ہی جانب کو دوڑے چلا جا رہا تھا۔۔۔؟ اور پھر اگلی ساعتوں' جونہی فضا میں فوجی ہیلی کاپٹر کے پھڑ پھڑانے کی آواز سنائی دی تو اس انبوہِ کثیر کی نظریں ''فرط جذبات'' سے اسی طرف کو اٹھتی گئیں۔

درحقیقت آج کے دن گیاری سیکٹر کے بہادر کمانڈر میجر ذکاءالحق شہید کا جسد خاکی ان کے آبائی علاقہ لایا جا رہا تھا اور لوگ گروہ در گروہ اپنے اس محبوب اور بہادر کمانڈر کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ اس محافظِ وطن کے آخری دیدار کی کسک ہر

اک کو بے چین کیے دے رہی تھی جس نے خوبصورت جوانی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے
اپنا آج ملت کے کل پر قربان کر دیا تھا اور اپنی ہنستی مسکراتی زندگی اور سینکڑوں
خواہشات کو دور کہیں سیاچن کے ''برف زار'' میں دفن کر دیا تھا۔

سرزمینِ پاک کے اس بہادر سپوت نے 16 جون 1981ء کو چوک سرور شہید
کے ایک محبّ وطن گھرانے میں آنکھ کھولی۔ مظفر گڑھ کے ممتاز تعلیمی ادارے مثالی
زکریا ہائی سکول سے آٹھویں جماعت کا امتحان پاس کرنے کے بعد انہوں نے ملک
کے مختلف کیڈٹ کالجز کے داخلہ ٹیسٹ پاس کیے اور بالآخر مشہور زمانہ کیڈٹ کالج حسن
ابدال کی جانب رخت سفر باندھا۔ پسماندہ علاقہ کے اس بچے کے لیے ایک تاریخ
ساز کیڈٹ کالج میں اپنی شناخت کروانا اور اپنا مقام بنانا اتنا سہل بھی نہ تھا لیکن
مسلسل محنت، خلوص اور سچی لگن کے بل بوتے پر انہوں نے یہ بھی کر دکھایا اور نصابی
و غیر نصابی سرگرمیوں میں کچھ اس انداز سے حصہ لیا کہ اب یہاں کوئی بھی فنکشن ان
کے بغیر کامیاب تصور نہ کیا جاتا، ایف ایس سی کے بعد جب انہوں نے پاکستان
آرمی میں کمیشن کا ارادہ باندھا تو یہاں پر بھی کامرانی و کامیابی نے ان کے قدم
چومے اور باری تعالیٰ نے انہیں پہلے ہی مرحلے میں کامیابی سے ہمکنار کیا اور وہ
پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول جا پہنچے، پی ایم اے کاکول میں بھی وہ ہر ایک کی آنکھ کا
تارا بنے رہے اور اپنی صلاحیتوں کی بنا پر قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ انہوں نے
دو سال پر محیط عسکری تربیت کے اسرار و رموز کو نہایت جانفشانی اور لگن کے ساتھ طے
کیا اور بعد ازاں ملک کے مختلف مشکل ایریاز میں ڈیوٹی کے فرائض انجام دیے، وہ
اپنی اسی دھن اور سچے جذبوں کی بدولت جلد میجر کے رینک تک پہنچے۔ عسکری مہارت
کی بنا پر اقوام متحدہ کے امن مشن پر کانگو میں بھی تعینات رہے، شہید میجر ذکاء الحق کی

ساری زندگی ہی مہم جوئی میں گزری۔ وہ ایک سالہ مشن کے بعد کانگو سے پلٹ کر گھر پہنچے تھے کہ انہی دنوں دنیا کے بلند اور سرد ترین محاذ جنگ سیاچن گلیشیئر نے انہیں پکارا، چنانچہ انہوں نے پھر سے سامانِ حرب باندھا اور اپنے بہادر جوانوں کے ہمراہ سیاچن محاذ کا رخ کیا۔ پھر وہ برف کے اس ''الاؤ'' میں ایسے گم ہوئے کہ گیاری سیکٹر جیسے خطرناک محاذ کا انتخاب کر ڈالا۔

میجر ذکاء الحق کی شہادت کے کچھ ہی روز بعد جب میں نے ان کے بڑے بھائی صدام الحق سے ان کے حالات جاننا چاہے تو انہوں نے بتایا کہ سیاچن گلیشئر میں ان کا جوش جنوں اور جذبہ حب الوطنی دیکھنے کے قابل تھا' میجر ذکاء الحق شہید جب بھی گیاری سے چھٹی آتے، ان کے بلند عزائم اور مقصدِ زندگی جان کر تمام اہلخانہ، عزیز و اقارب، دوست احباب انہیں داد دیے بنا نہ رہتے۔

آخری بار جب وہ چھٹی آئے تو انہوں نے بتایا کہ مئی کے آخری دنوں یا جون کے پہلے ہفتے میں ہمارا مشن ختم ہو جائے گا اور ہم گیاری سے واپس آجائیں گے اور دنیا نے دیکھا نے کہ انہوں نے اپنے وعدے کی پاسداری بھی خوب کی اور وہ واقعی جون کے پہلے ہفتے میں گھر آ گئے لیکن .... کچھ اس انداز کہ اپنے قدموں پر چل کر نہیں بلکہ ان کے فوجی ساتھیوں نے انہیں سبز ہلالی پرچم میں لپیٹ کر اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔

مورخہ 8 اپریل 2012ء کو گیاری سیکٹر سانحہ میں پاک فوج کے پیدل ونگ' ناردرن لائٹ انفنٹری (NLI) کے یہی وہ جری اور شاہین صفت کمانڈر میجر ذکاء الحق تھے جنہوں نے اپنے 127 جانثار سپاہیوں کے ہمراہ سیاچن کے ''برف زار'' میں اپنی خوبصورت جوانی کو لٹا دیا اور 1981ء سے گرم اس محاذ جنگ کو اپنے جواں اور تازہ لہو

سے ٹھنڈا کرنے کی ایک سعی اور جدوجہد کر ڈالی۔

یہ لوگ ملک وملت کا دفاع کرتے ہوئے جانوں سے بھی گزر گئے اور تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ و جاوید ہو گئے، پاک فوج کا یہ بہادر کمانڈر اب چوک سرور شہید کے شہر خموشاں میں دنیا کے ہنگاموں سے بہت دور سکون کی نیند سو رہا ہے۔ ایسے ہی عظیم لوگوں کے متعلق جمیل الدین عالؔی نے کہا ہے ؂

سرفروشی ہے ایماں تمہارا
جراتوں کے پرستار ہو تم
جو حفاظت کرے سرحدوں کی
وہ فلک بوس دیوار ہو تم

◆......◆......◆

سوات میں دہشت گردوں کے خلاف لڑنے والے پرعزم کمانڈر

میجر محمد زبیر شہید

ضلع اٹک کی تحصیل حضرو میں ایک دور افتادہ گاؤں ''کالو کلاں'' ہے جو بنیادی سہولتوں سے تقریباً محروم ہے، لوگ کم پڑھے لکھے اور محنت مزدوری یا کھیتی باڑی کر کے گزر بسر کرتے ہیں، گو یہ علاقہ تعمیر و ترقی، تعلیم کے حوالے سے کافی پسماندہ ہے لیکن کسے معلوم تھا کہ اسی گاؤں کے رہائشی محمد اکرم کے ہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو ملک و قوم کا نام روشن کرے گا اور اس دھرتی کی حفاظت کی خاطر دلیرانہ ادا سے لڑتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے تاریخ کے صفحات پر زندہ و جاوید ہو جائے گا۔ اس بہادر انسان کو آج دنیا میجر زبیر شہید کے نام سے جانتی ہے، میجر زبیر شہید کی قربانی نے یہاں کے باسیوں کے سر فخر سے بلند کر دیئے ہیں اور انہیں فخر ہے کہ دھرتی کے اس مایہ ناز سپوت نے ان کی سرزمین سے جنم لیا۔

میجر محمد زبیر شہید 1973ء کو پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ شاہین کالج کامرہ ضلع اٹک سے میٹرک سائنس کا امتحان اور 1991ء میں ایف ایس سی کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ میجر شہید کے چھوٹے بھائی محمد بلال و دیگر اہل خانہ نے راقم کو بتایا کہ میجر محمد زبیر نے جب میٹرک کا امتحان پاس کیا تو انہیں آرمی میں شمولیت کا شوق ہوا اور

وہ 1994ء میں پاک آرمی میں کمیشن حاصل کر کے پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول چلے گئے اور دو سال کی فوجی تربیت مکمل کی، جب وہ پی ایم اے کاکول سے تربیت حاصل کر کے نکلے تو اس قدر خوش تھے گویا گوہر مقصود ان کے ہاتھ آ گیا ہو۔

1997ء میں انہیں انفنٹری کی ایک رجمنٹ کی جانب سے خضدار بلوچستان میں تعینات کیا گیا۔ بعد ازاں کچھ عرصہ چھانگا مانگا میں ڈیوٹی کے فرائض انجام دیئے اور پھر انہیں نادرن لائٹ انفنٹری (این ایل آئی) میں کیپٹن کے عہدے پر ترقی دے کر سکردو بھیج دیا گیا۔ سکردو میں بہترین صلاحیتوں کے اعتراف میں انہیں پاک فوج کی جانب سے مختلف اعزازی اسناد سے نوازا گیا۔ خداداد عسکری صلاحیتوں کی بنا پر آپ میجر کے عہدے پر ترقی پا گئے۔ فروری 2009ء میں مینگورہ سوات میں دہشت گردوں کی سرگرمیاں عروج پر پہنچ چکی تھیں، سول ادارے مکمل طور پر فلاپ ہو چکے تھے اور تقریباً تمام اہم سرکاری عمارتیں نام نہاد طالبان کے قبضے میں جا چکی تھیں۔ ان کٹھن حالات میں میجر زبیر شہید کو انتہائی مشکل ٹاسک دے کر اس وادی میں اتارا گیا۔

انہوں نے اپنے فوجی جوانوں کے ہمراہ دہشت گردوں کے مضبوط گڑھ گرین چوک کے قریب اپنا کیمپ لگایا اور ان کی سرگرمیوں کا جائزہ لینا شروع کیا، انہی دنوں وہ ایک روز کی چھٹی پر گھر آئے اور اہلخانہ کو تلقین کی کہ پریشان ہرگز نہ ہوں، جب خاکی وردی زیب تن کر لی تو پھر موت اور کٹھن حالات سے ڈر کیسا؟ آپ اسی جذبے کے ساتھ واپس محاذ پر پہنچے۔ چند روز بعد سوات بھر میں فوج اور طالبان میں شدید جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ میجر شہید طالبان کے اس مضبوط گڑھ میں ان کی آنکھ کا کانٹا بنے رہے،

آپ چونکہ علاقہ بھر کے کمانڈر تھے لہٰذا طالبان کو سب سے زیادہ مطلوب تھے' طالبان نے ان پر متعدد حملے کئے جس میں آپ محفوظ رہے۔ مورخہ 16 اگست 2009ء کی شام چار بجے میجر زبیر شہید کو انٹیلی جنس اطلاعات ملیں کہ محلّہ عنایت کلے کے ایک مکان میں ایک خودکش حملہ آور چھپا ہوا ہے جو کسی فوجی قافلے کی تاک میں ہے تاکہ موقع پاتے ہی اس پر حملہ کردے۔

شہید میجر یہ اطلاع ملتے ہی بغیر کسی ڈر اور خوف کے اپنے جوانوں کو ہمراہ لیا اور محلّہ عنایت کلے جا پہنچے اور گھر گھر سرچ آپریشن شروع کر دیا۔ میجر جلد ہی اپنے ہدف تک پہنچ گئے' انہوں نے گھر کے تمام افراد کو باہر نکلنے کا حکم دیا، میجر زبیر شہید نے اپنے جوانوں کو باہر ہی کھڑا کیا اور خود گن تھام کر مکان کے اندر جانے لگے تو جوانوں نے بہت اصرار کیا کہ آپ اکیلے نہ جائیں' جوانوں کے بار بار کہنے پر وہ ایک سپاہی محمد سعید کو ہمراہ لے کر مکان میں بے خوف وخطر داخل ہوئے۔ اس گھر کے مکین بار بار انہیں کہتے رہے کہ گھر میں کوئی موجود نہیں لیکن میجر مکمل تلاشی لینا چاہتے تھے۔ پاک فوج کے یہ بہادر افسر جونہی مکان میں داخل ہوئے اور دو تین کمروں کی تلاشی لینے کے بعد واش روم کی جانب بڑھنے لگے تو اچانک خودکش حملہ آور باہر آیا' میجر شہید کمال ہنر مندی سے اسے جیکٹ بلاسٹ کرنے سے پہلے اپنی گن سے جہنم واصل کرنا چاہتے تھے مگر مشیت ایزدی نے انہیں موقع نہ دیا اور حملہ آور نے پہلے وار کر دیا' ایک زوردار دھماکہ ہوا اور پاک فوج کا یہ جانباز کمانڈر اپنے جوان محمد سعید کے ہمراہ شہادت کے رتبے پر فائز ہوگیا۔

مورخہ 17 اگست کو آپ کا جسدِ خاکی آبائی گاؤں کالوں کلاں تحصیل حضرو اٹک

لایا گیا‘ علاقہ کے ہزاروں عوام، سیاسی سماجی اور مذہبی شخصیات نے ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ نوشہرہ سے آنے والے پاک فوج کے چاک و چوبند دستے نے ایک میجر جنرل کی قیادت میں اس شہیدِ وطن کو گارڈ آف آنر پیش کیا اور انہیں مقامی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

◆......◆......◆

جرأت اور بسالت کی علامت، مجاہد بٹالین کا سپوت

نائیک محمد اسلم اعوان شہید

یہ 6 جنوری 2013 کی ٹھٹھرتی اور ہولناک رات تھی جس کی سیاہی نے اس قدر ڈیرے ڈال رکھے تھے کہ اس سے خوف سا محسوس ہونے لگتا۔ یہ آزاد کشمیر کے علاقہ باغ کے قریب لائن آف کنٹرول پر حاجی پیر کا علاقہ تھا۔ یہ وہی حاجی پیر سیکٹر ہے جو طویل عرصے سے دشمن سپاہ کی آنکھوں میں کانٹا بن کر چبھ رہا ہے، یہاں پاکستانی فوج کی بہادری اور حوصلہ مندی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ہمارے محافظوں کو حاجی پیر سیکٹر سے ایک جذباتی لگاؤ بھی ہے اور یہ سیکٹر جرات اور بسالت کی ایک روشن علامت بن کر رہ گیا ہے۔ حاجی پیر سیکٹر کے تنگ و تاریک پہاڑی سلسلے میں بہت آگے تک پاکستان کے سرحدی جانثاروں کی ''ساون پترا'' چیک پوسٹ پر رات کے پچھلے پہر چند سپاہی جسم کو منجمد کر دینے والی یخ بستہ شب میں بھی اپنے فرض سے غافل نہ تھے۔

پاکستانی فوج کی جانب سے طویل سکوت کے بعد دشمن نے یہ جان کر ''ساون پترا'' کے ان سرحدی جانثاروں پر چڑھائی کر دی تھی کہ شاید اس علاقہ میں تعینات مجاہد بٹالین کے اہلکار اپنے فرض سے غافل ہو چکے ہیں اور ان کا اسلحہ زنگ آلود ہو چکا ہے۔ رات کے اس پہر یہ مختصر فوجی دستہ انڈین آرمی کے حملے کی زد پر آ چکا تھا، وطن کے محافظ بھلا کہاں غافل رہنے والے

تھے، گولیاں بارش کی مانند برس رہی تھیں اور مجاہد بٹالین کے ان فرزندوں اور ساون پترا چیک پوسٹ کے شیروں نے دشمن کے آگے ڈٹ کر جنگ ستمبر کی یاد تازہ کر دی تھی، ان محافظوں نے ایسے دعوؤں کو جھٹلا ڈالا تھا کہ یہ دھرتی بانجھ ہو چکی ہے اور بہادروں کو جنم دینے کے قابل نہیں۔ برستے گولوں، آتش و آہن کی بارش اور دشمن فوج کی کثیر تعداد کے باوجود بھی پاکستانی محافظ غلبہ پا رہے تھے، مجاہد بٹالین چومکھی جنگ لڑ رہی تھی اور بھارتی فوجی زیر عتاب آ رہے تھے، انڈین سپاہ بیکار ہو چکی تھی اور مجاہد بٹالین کے اس مختصر دستے نے دشمن کا حملہ بڑی جرأت، استقامت اور کمال ہنر مندی کے ساتھ پسپا کر کے مٹی کا قرض چکا ڈالا تھا۔ گویا مجاہد بٹالین کا یہ دستہ آتش نمرود میں کود چکا تھا، ان کی برق رفتار جوابی کارروائی سے دشمن پر ایسی ہیبت، دہشت اور ڈر طاری ہوا کہ ہندو بنیے کا جم کر لڑنا خواب ہو گیا، انڈین آرمی کے عزائم حاجی پیر سیکٹر کی چوٹیوں پر ہی کہیں ریزہ ریزہ ہو کر رہ گئے اور ''ساون پترا'' کے شاہینوں کی پلٹ، جھپٹ کی تاب نہ لا کر بھارتی سورمے اپنا بھاری اسلحہ، ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ چکے تھے۔

پھر رات آہستہ آہستہ اپنے سیاہ پر سمیٹتے ہوئے روشن صبح کی آمد کا پتہ دینے لگی، فائرنگ کی آوازیں اب بھی گونج رہی تھیں۔ چھ جنوری کا سورج حاجی پیر کی بلند و بالا چٹانوں سے طلوع ہو رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے سورج کی شعاعوں نے چہار سو اجالا کر ڈالا۔ یہ میدان کارزار جہاں کچھ سمے پیشتر گھمسان کا رن پڑا اب ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ آفتابی کرنوں کے پھیلتے ہی حاجی پیر سیکٹر سے دشمن فوج دم دبا کر بھاگ اُٹھی اور

ساون پترا کی چوکی سے دھواں اٹھ رہا تھا، انڈین آرمی کے بی ایس ایف اہلکار اپنے بلوں میں دبک گئے تھے اور اس معرکہ کے ہیرو، مجاہد بٹالین کے نائیک محمد اسلم کا وجود زخموں سے چور چور تھا، اسے ہسپتال پہنچایا گیا۔ اس کی یونٹ کے ساتھی بتا رہے تھے کہ شدید زخمی حالت میں اس بہادر سپوت سے جب خیریت دریافت کی گئی تو اس کے سینے میں دھرتی کی محبت کا لاوا اب بھی دہک رہا تھا، اس کے الفاظ تھے کہ: ''گو میں ٹھیک نہیں ہوں لیکن اب بھی اس قابل ہوں کہ اگر حاجی پیر کی اسی چیک پوسٹ پر کھڑا کر دیا جاؤں تو بی ایس ایف کو آگے بڑھنے سے روک سکتا ہوں''۔ اگلے ہی لمحے اس کی سانسیں دم توڑ گئیں، وہ جام شہادت نوش کر کے ہمیشہ کے لیے پرسکون ہو چکا تھا اور اس نے خوبصورت جوانی وطن پر قربان کر دی تھی۔

شہید کے بھائی محمد بلال، کزن ملک مدد علی اعوان و دیگر اہلخانہ نے راقم کو بتایا کہ نائیک اسلم شہید ایک بہادر، خوبصورت اور خوب سیرت نوجوان تھا۔ وہ صوم صلوۃ کا پابند اور اہل علاقہ کی آنکھ کا تارا تھا اور اللہ رب العزت نے اسے جس مقام اور منصب سے نوازا بلاشبہ وہ اسی کا مستحق تھا، ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہمارے بھائی اور بیٹے نے اپنے ازلی دشمن ہندو بنیے کے خلاف لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اور وطن عزیز کے دفاع میں دشمن کو بھاری نقصان سے دوچار کرنے کے بعد اپنی حسین جوانی کو تیاگ دیا۔ چہرے پر سنت رسول سجائے، نیک طینت اور دلیر محافظ وطن نائیک محمد اسلم اعوان شہید نے قصبہ خیر پور کلر کہار ضلع چکوال کے ایک متوسط گھرانے میں بیس جولائی 1980ء کو زندگی کی پہلی سانسیں لی تھیں، ان کا تعلق اعوان قوم سے تھا۔ ان کے والد محمد اقبال (مرحوم) پاکستان رینجرز میں خدمات

انجام دیتے رہے اور سانحہ مشرقی پاکستان میں شدید زخمی ہوئے۔محمد اسلم شہید 2001ء میں فوج میں بھرتی ہوئے، بھمبر آزاد کشمیر کے ٹریننگ سنٹر میں فوجی تربیت مکمل کی اور مجاہد بٹالین کا حصہ بنے۔

محمد اسلم شہید کا نام اپنے چچا کے نام پر رکھا گیا تھا جنہوں نے 1971ء میں جام شہادت نوش کیا تھا۔آج تاریخ پھر خود کو دہرا رہی تھی اور جرات مند باپ کا جرات مند بیٹا، بہادر چچا کا بہادر بھتیجا مادرِ وطن پر قربان ہو چکا تھا۔اس نے شہید چچا کی جراتِ رندانہ کی نہ صرف لاج رکھ لی بلکہ دشمن کی آنکھ میں کھٹکنے والے حاجی پیر سیکٹر کی سرحد پر اپنے سرخ لہو سے ایک اور نا قابل تسخیر لکیر کھینچ ڈالی۔8 جنوری 2013ء کی سہ پہر شہید وطن نائیک محمد اسلم کی نماز جنازہ قصبہ خیر پور کلر کہار میں جب ادا کی جا رہی تھی تو انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر اس بہادر سپوت کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب تھا، اہالیان وطن نے نہایت جوش اور جذبے سے اپنے قابل فخر محافظ کی نماز جنازہ ادا کی، پاک فوج کے چاک و چوبند دستے نے شہید وطن کو گارڈ آف آنر پیش کیا اور علاقہ کے ہزاروں عوام اور سیاسی و سماجی شخصیات نے انہیں قصبہ خیر پور کلر کہار کے شہر خموشاں میں لحد میں اتارا۔حمایت علی شاعرؔ کی طویل نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جو اسلم شہید جیسے فرزندوں کی جرأت اور دلیری کا پتہ دیتے ہیں ؎

لہو جو سرحد پہ بہہ چکا ہے

لہو جو سرحد پہ بہہ رہا ہے

ہم اس لہو کا خراج لیں گے

یہ خون سرمایہ وطن ہے

یہ خون رنگِ رخ چمن ہے

یہ خون ہر ماں کے دل کی دھڑکن ہے

یہ خون ہر باپ کا بدن ہے

یہ خون بہنوں کے سر کی چادر ہے

یہ خون بھائی کا بانکپن ہے

یہ خون دلہن کا خوابِ رنگیں

یہ خون بچوں کا بھولپن ہے

یہ خون جوانی کی کج ادائی

یہ خون بڑھاپے کا سارا دھن ہے

یہ خون دہقان کا پسینہ

یہ خون ہر کھیت کی پھبن ہے

یہ خون محنت کا آب گینہ

اسے نشانِ حشم بنا لیں گے

جو نقش اس نے بنا دیا ہے

اسی کو نقش قدم بنا لیں گے

ہم اس لہو کا علَم بنا لیں گے

ہم اس لہو کا خراج لیں گے

یہ خون سرحد پہ بہہ رہا ہے

یہ خون ہم سب سے کہہ رہا ہے
ہم اس لہو کا عَلَم بنا لیں
سنان و سیف و قلم بنا لیں
اسے سمجھ لیں متاعِ ہستی
اور اپنی روحوں کا غم بنا لیں
خلوص و مہر و وفا کا حاصل
نگاہ و دل کا حرم بنا لیں

◆......◆......◆

جوشِ ایماں سلامت رہا، ملت کی قائم رہی آبرو

سپاہی عاصم اقبال شہید

کہتے ہیں انسان کا کوئی بھی شوق ہو، جب وہ اپنی حدوں سے باہر نکل کر بے قابو ہو جائے تو اسے پاگل پن سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، لیکن بسا اوقات اسے پاگل پن کی بجائے عشق اور جنون کا نام دیا جاتا ہے۔ پاک فوج کے سپاہی عاصم اقبال کا قصہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔ اس نوجوان نے ابھی عمر عزیز کی بیس بہاری ہی دیکھی تھیں کہ اسے ایسا شوق پیدا ہوا جو جنون کی سرحدوں کو بھی پھلانگتا گیا۔ 14 اکتوبر 1990ء میں عاصم نے راولپنڈی کے علاقہ چھاوڑیاں کے ایک متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی' ہوش سنبھالا اور میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد اسلحہ اور تن سازی کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا۔ عزیز و اقارب، دوستوں نے بہت سمجھایا کہ ابھی تو کھیلنے کے دن ہیں یہ جنگ و جدل کا شوق کیسا؟ لیکن مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی' اور 2011ء میں یہ جنوں اسے ''مجاہد بٹالین'' کے بھمبر ٹریننگ کیمپ میں لے گیا' عاصم اقبال نے ایک فوجی گھرانے میں جنم لیا جس کی بہادری کے چرچے علاقہ بھر میں زبان زدِ عام رہتے۔

عاصم کے نانا حوالدار لہراسب شہید مشرقی پاکستان کے محاذ پر مکتی باہنی اور انڈین آرمی کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے، عاصم کے والد نے رجمنٹ

آف آرٹلری میں خدمات انجام دیں اور لائن آف کنٹرول پر ''نیزہ پیر سیکٹر'' کے مقام پر جب عاصم اقبال تن تنہا انڈین بارڈر سیکیورٹی فورسز سے چومکھی جنگ لڑ رہا تھا اس وقت اس کا بھائی دانش اقبال سیاچن گلیشئر پر دشمن کے خلاف ڈٹا ہوا تھا۔

27 جولائی 2013ء بمطابق 17 رمضان المبارک کی ایک شب جس وقت مجاہد بٹالین کے فرزند سحری کی تیاری کر رہے تھے مکار ہندو دشمن ان پر حملہ آور ہونے کی مکروہ سوچ میں مگن تھا۔ میجر سرور بتاتے ہیں کہ ہم نے سحری کی' نماز کے بعد سب لوگ آرام کرنے کی غرض سے لیٹ رہے تھے کہ پانچ بجے کے قریب شدید فائرنگ کی آواز سے ہم جاگ اٹھے، مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ہمارے ازلی دشمن نے فطری جبلت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک بار پھر ہمیں للکارا ہے، لیکن یہ للکار اسے مہنگی پڑی اور ہمارے سرحدی محافظوں نے اسے نا قابل تلافی نقصان پہنچا کر اس کا حملہ پسپا کر ڈالا۔

میجر سرور نے بتایا کہ عاصم اقبال کی داستانِ شہادت بہت ایمان افروز ہے، مورچے میں موقع پر عاصم اقبال ہی فرائض انجام دے رہا تھا، اس نے ہمیں مورچے کے اندر ہی رہنے کا کہا اور خود ایک ساتھی کے ہمراہ دشمن کے سامنے ڈٹ گیا، اس کی ایس ایم جی رائفل مسلسل آگ برسا رہی تھی اور وہ دشمن پر قہر بن کر ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ بتا رہے تھے کہ یہ جوان بڑی ہمت اور بہادری سے لڑا اور اس نے تن تنہا دشمن فوج کا کئی گھنٹوں تک مقابلہ کیا اور اپنی بلند ہمتی و استقامت سے اپنے تمام ساتھیوں کی قیمتی جانیں بچانے میں کامیاب رہا یہاں تک کہ دشمن کی توپیں خاموش ہوئیں اور ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا تو عاصم اقبال ملک وملت پر جان لٹا چکا تھا' جری جوان کے سینے پر انڈین سنیپر گن کی تین گولیاں لگیں جو اس کی دلیرانہ شہادت کا سبب بنی تھیں' دوسری

طرف دشمن کی وائرلیس پر جو خفیہ پیغامات نشر ہو رہے تھے ان سے اندازہ لگتا تھا کہ عاصم اقبال نے دشمن کے دس کے قریب فوجیوں کو انجام تک پہنچایا تھا۔

شہید کے فوجی ساتھی اس کی دلیرانہ شہادت اور جذبہ حب الوطنی کے معترف ہیں' وہ کہتے ہیں کہ عاصم اقبال شہید نے اپنے فولادی اسلحہ اور آہنی عزم سے دشمن کو بھاری نقصان پہنچا کر شہادت کو گلے لگایا جو نہایت قابل رشک ہے۔

شہید عاصم اقبال کے والد ظفر اقبال جب اپنے بیٹے سے وابستہ حسین یادوں کے جھروکوں سے جھانکتے ہیں تو ان کے بے مثل و بے مثال جذبہ حب الوطنی کو داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ جوان بیٹے کو دھرتی پر لٹا کر بھی وہ خوش ہیں کہ ان کے حصے میں ایک شہید بیٹے کا باپ ہونا لکھ دیا گیا۔ وہ بتا رہے تھے کہ شہادت سے کچھ روز پہلے عاصم اقبال 19 جولائی 2013ء کو چھٹی گزار کر واپس گیا تھا۔ 27 جولائی کو عاصم اقبال کی دلیرانہ شہادت ہوئی اور صرف دو روز پہلے ہی اس نے فون پر بات کی' وہ اپنے بہادر والدین کو لائن آف کنٹرول کے حالات و واقعات بتاتے ہوئے اکثر کہا کرتا تھا کہ اگر وطن عزیز کے دفاع میں جان بھی چلی گئی تو یہ سودا مہنگا نہیں، اس لیے کہ شہادت کی تمنا ہر مومن کے دل میں ہونی چاہیے اور میری دعا ہے کہ مولائے کریم میری یہ آرزو جلد پوری فرما دے، اگر میں شہید کہلاؤں اور آپ شہید کے والدین' تو اس سے بڑھ کر اور کونسی خوش بختی ہو سکتی ہے۔ ہمارا یہ بیٹا پورے خاندان میں اور پورے علاقہ میں ہر ایک کا پیارا تھا' وہ ہر ایک سے اخلاق سے پیش آتا اور جب بھی چھٹی آتا علاقہ بھر میں مسکراہٹیں اور حسین یادیں چھوڑ کر واپس جاتا۔

عاصم شہید کے والدین اپنے انہی خیالات کا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ''جس وقت ہمیں عاصم کی شہادت کی خبر ملی، عاصم کی امی اور میرے منہ سے بے

اختیار کلمہ شکر ادا ہوا' ہماری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے کہ واقعی ہمارے شہزادے بیٹے نے اپنا عہد پورا کر دکھایا' خود تو شہادت کو گلے لگایا اور ہمیں شہید کے والدین کا رتبہ دلوا گیا''۔28 جولائی 2013 کی صبح آٹھ بجے عاصم اقبال شہید کی نمازہ جنازہ آبائی علاقہ میں ادا کی گئی جس میں اعلیٰ فوجی وسول افسران' سیاسی سماجی شخصیات اور عوام الناس نے جوش اور ولولے کے ساتھ شرکت کی' ان کے جسد خاکی کو پاک فوج کے مستعد دستے نے گارڈ آف آنر پیش کیا اور ہزاروں لوگوں نے بڑے طمطراق اور ایک نرالی شان کے ساتھ اس دلیر محافظ وطن کو لحد میں اتارا۔ اپنے لہو سے وطن کی حفاظت کا قرض چکانے والے ان شہیدوں کے نام لیثؔ قریشی کے یہ اشعار بہت خوب ہیں ۔

شعلہ جنگ رقصاں ہوا چار سو
ہوگیا رزم گاہوں میں ارزاں لہو
ہم سے بے وجہ الجھا ہمارا عدو
ورنہ اپنی طبیعت تو ہے صلح جو
ہم وطن کی حفاظت کی خاطر اٹھے
بارگاہ خدا میں ہوئے سرخرو
جوش ایماں سلامت ہمارا رہا
ملک و ملت کی قائم رہی آبرو

◆......◆......◆

معرکہ چھ ستمبر میں جرأت رندانہ کی تاریخ رقم کرنے والے

میجر ضیاء الدین عباسی شہید (ستارہ جرأت)

چھ ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں پاکستان کی فتح ہماری تاریخ کا ایک سنہری باب ہے' یہ دن گزشتہ اکیاون سال سے ''یوم دفاع پاکستان'' کے طور پر منایا جا رہا ہے۔ پانچ اور چھ ستمبر کی درمیانی شب جب مکار ہندو بنئے نے افواج پاکستان کو تر نوالہ اور آسان ہدف جان کر واہگہ بارڈر پر پہلا حملہ کیا تو اس کے وہم اور تصور میں بھی نہ تھا کہ آگے بڑھنا تو دور کی بات اگلے مورچوں پر تعینات میجر عباسی اور صوبیدار یار محمد خان جیسے جوان ہی اس کے چھکے چھڑا دیں گے۔ ہمارا دشمن پاکستان پر مکمل قبضہ کرنے کی خواہش لیے اپنی پوری قوت مجتمع کر کے ہم پر حملہ آور ہوا تھا مگر سرزمین پاکستان کے محافظوں نے اسے آگے نہ بڑھنے دیا۔ شاید ان محافظوں کے اسی جذبہ حب الوطنی اور اخلاص کا نتیجہ تھا کہ آج کئی برس بیت جانے کے بعد بھی پاکستانی عوام کے دلوں میں ان کی شجاعت بھری داستانیں زندہ ہیں اور ہر سال جب بھی چھ ستمبر کا دن آتا ہے اسی جوش اور جذبے کی یادیں دے کر رخصت ہو جاتا ہے۔

چھ ستمبر کی صبح فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ریڈیو اور ٹی وی پر خطاب کرتے ہوئے بھارتی فوج کو للکارا تو ایسا لگا جیسے ہمارے سپاہیوں کے تن بدن میں بارود بھر دیا گیا ہو۔ پوری ملت ایک ہی لڑی، ایک ہی وحدت میں پرو دی گئی تھی اور فیلڈ مارشل کی

بھاری بھرکم آواز نے ملت میں اتحاد اور اتفاق کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، اس بہادر سپہ سالار کے لب و لہجے میں بلا کا طنطنہ اور ایسا جادوئی اثر تھا کہ قوم کا بچہ بچہ پاک فوج کی پشت پر آن کھڑا ہوا اور جب انہوں نے گرجدار آواز میں پاکستانی سپاہیوں کو مخاطب ہوئے کہا: ''جانبازو! دشمن کو پتہ چلنا چاہیے کہ اس نے کس قوم کو للکارا ہے'' تو یہ آواز ذرائع ابلاغ پر گونجتے ہی ایسا لگا جیسے پاکستانی سپاہی لڑنے مرنے کے لیے بے تاب ہو گئے ہوں۔ پھر چشم فلک نے دیکھا کہ اسی سپہ سالار کی قیادت میں اگر ہمارے بہادر فوجی بی آر بی نہر کے اس پار دشمن فوج کے حلق کا کانٹا بن کر رہ گئے تو سیالکوٹ کے چونڈہ محاذ پر آرمڈ دستوں نے گھمسان کا رن برپا کر کے انڈیا کے مایہ ناز ''شرمن ٹینکوں'' کو ناکارہ بنا چھوڑا اور ہندو بنیے کے گوجرانوالہ فتح کرنے کے سارے خواب بارڈر سے اُس پار کہیں ملیا میٹ ہو کر رہ گئے۔

اس معرکے کے ایک ہیرو ہمارے ماموں صوبیدار میجر یار محمد خان بھی تھے۔ یہ نڈر سپاہی کچھ ماہ پیشتر ہی تقریباً سو سال کی عمر میں وفات پا چکے ہیں۔ اس قدر طویل عمر کے بعد زندگی کے آخری ایّام میں ان کے اعضا جواب دینے لگے تھے لیکن حیرت ہے کہ جونہی جنگ ستمبر کا ذکر آتا وہ پھر سے جواں نظر آنے لگتے۔ ایک دن وہ بتا رہے تھے کہ ان کی یونٹ ان دنوں سیالکوٹ کے علاقہ تلک پور سیکٹر پر تعینات تھی، میری آنکھیں حیرت سے یہ منظر دیکھ رہی تھی کہ آرمڈ کور کی یونٹ 20 لانسر کے جوان نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے دشمن سپاہ پر پل پڑے اور ہندوستانی سور ماؤں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔

جنگ ستمبر کی نہایت جاندار، شفاف اور ایمان افروز رپورٹنگ کرنے والے صحافی خالد محمود لکھتے ہیں کہ: لاہور کے محاذ پر متعین جنرل سرفراز اور ان کے ساتھی دشمن کی راہ

میں سدِ سکندری بن کر حائل ہو گئے تو آٹھ ستمبر کی شب پاکستانی فوجی کھیم کرن کا محاذ فتح کرنے کے بعد بھارتی علاقوں میں بہت اندر تک گھستے چلے گئے۔ فاضلکا کے مقام پر پاکستانی سرحدی جانثاروں نے دست بدست لڑائی کر کے دشمن کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا اور بیدیاں محاذ پر پاک فوج کے جوانوں نے بھاری قربانی دے کر اپنی اس سرحد کی حفاظت کی اور انڈین آرمی کے چودہ افسروں اور بہت سے جوانوں کو زندہ گرفتار کر لیا۔ ہمارے سپاہی طوفانی پیش قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور بھاگتے دشمن نے نہروں اور ندی نالوں کے پل توڑ کر ان جانبازوں کے قدم روکنے کی ناکام سعی کی۔

صوبیدار میجر یار محمد خان بتاتے تھے کہ اس جنگ کے ایک ہیرو میجر ضیاء الدین عباسی شہید بھی ہیں۔ ضیاء الدین عباسی الہ آباد میں پیدا ہوئے، آزادی کے بعد آپ کا خاندان ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان کے خطہ پوٹھوہار کے کسی علاقہ میں سکونت پذیر ہوا تھا۔ آپ نے 25 اگست 1951ء کو پاک فوج میں کمیشن حاصل کیا۔ میجر عباسی کا شمار ان افسروں میں ہوتا تھا جو اپنی زندہ دلی کے باعث نہایت مقبول تھے۔ آپ ایک عرصے تک اپنی رجمنٹ کے کمانڈر رہے۔ سٹاف کالج کوئٹہ اور پاکستان ایئر فورس کے اسٹاف کالج سے بھی عسکری مہارت میں ڈگری حاصل کی۔ میجر عباسی نے کئی بیرون ممالک میں بھی فوجی نوعیت کے کورس کئے، 1965ء کی جنگ سے پہلے آپ آرمر سکول نوشہرہ میں تعینات تھے۔

معرکہ ستمبر شروع ہوا تو آپ کو چونڈہ جانے کا حکم ملا۔ میجر ضیاء الدین عباسی نے چونڈہ کے محاذ پر ایک گاؤں کے قریب اپنے اسکارڈن کی کمان کی اور دشمن کے دانت کھٹے کر دیے۔ 11 ستمبر کو انہیں انتہائی مشکل ٹاسک سونپا گیا کہ ایک گاؤں کے قریب

بھاری تعداد میں تعینات دشمن فوج پر حملہ کر کے اسے پیچھے دھکیلیں۔ میجر کو ہتھیاروں اور افرادی قوت کی شدید کمی کا سامنا تھا' مگر آپ نے آگے بڑھنے میں ذرا بھی پس و پیش سے کام نہ لیا' جونہی آپ نے پیش قدمی کی دشمن نے فائرنگ کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ میجر ضیاء الدین عباسی کو تب پتہ چلا جب وہ اپنے ساتھیوں سمیت بری طرح دشمن کے گھیرے میں آ چکے تھے۔ میجر عباسی نے دیکھا کہ آپ کے ایک جانب دشمن کی پیدل فوج نے گھیراؤ کر رکھا تھا تو دوسری طرف بھارتی فوج کے ٹینک پوزیشن لئے ہوئے تھے۔

اس انتہائی مشکل گھڑی میں انہوں نے کمال مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن فوج کے عقب میں پہنچنے کی کوشش کی۔ آپ جس گروپ کی قیادت کر رہے تھے دشمن نے اس پر براہ راست ہلکے اور بھاری ہتھیاروں سے ہلہ بول دیا۔ میجر عباسی کا یہ ٹروپ دشمن کے حملے میں بری طرح سے متاثر ہو چکا تھا اور اس کا آگے بڑھنا ناممکن ہو گیا، اب میجر عباسی اور ان کے جانثار ساتھیوں کے پاس صرف دو راستے تھے' یا تو دشمن کے ساتھ لڑ کر جان قربان کر دیں یا پھر ہتھیار ڈال دیں۔ جب دشمن نے میجر عباسی کو ان مشکل ساعتوں میں گھرے دیکھا تو اس کی طرف سے انہیں ہتھیار ڈالنے کا کہا گیا۔ آپ نے چند بچے کھچے جانثاروں کو ہمراہ لیا اور بہترین جنگی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کی آنکھ میں دھول جھونک کر اس کے عقب میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

میجر عباسی اس وقت سب سے آگے والے ٹینک میں موجود کمان کر رہے تھے۔ یہی وہ لمحات تھے جب میجر عباسی اور ان کے جانثاروں نے جرأتِ رندانہ کی تاریخ رقم کر ڈالی۔ بہادر میجر نے اس لمحے ہتھیار ڈالنے کی بھارتی پیشکش کو پائے حقارت سے ٹھکرایا اور دشمن فوج کے سامنے ڈٹ گئے۔ آپ کے اس اچانک ہلے سے دشمن

فوجیں مسلسل پیچھے ہٹتی چلی گئیں کیونکہ میجر عباسی نے دشمن فوج کو یہ باور کروایا تھا کہ ہم ہتھیار ڈالنے لگے ہیں مگر آپ نے اس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس کی صفوں میں کھلبلی مچادی۔

سرزمینِ چونڈہ کے اس گاؤں میں میجر عباسی نے اپنے چند گنے چنے جانثاروں کے ہمراہ دشمن کے ہزاروں فوجیوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا اور ہندو بنیا آپ کی کمال عسکری مہارت، جرأتِ رندانہ اور جذبہ ایمانی پر حیران رہ گیا۔ دشمن نے میجر عباسی کی پلٹ جھپٹ سے بھاری جانی و مالی نقصان اٹھایا۔ میجر ضیاء الدین عباسی کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہوتے گئے' حتیٰ کہ صرف آپ کا ٹینک اور اس کا عملہ باقی رہ گیا۔ اس موقع پر بھی میجر عباسی نے ہمت نہ ہاری اور دشمن کے آگے ڈٹے رہے' یہاں تک کہ دشمن نے آپ کے ٹینک پر ٹینک شکن ہتھیاروں سے حملہ کر دیا' کئی مہلک گولے میجر عباسی کے ٹینک پر لگے جس سے یہ بہادر میجر' ٹینک ڈرائیور اور دیگر تمام لوگ موقع پر شہید ہو گئے۔ صوبیدار میجر یار محمد خان بتاتے ہیں کہ معرکہ چھ ستمبر میں میجر ضیاء الدین عباسی شاید واحد کمانڈر تھے جنہوں نے اپنے تمام ساتھیوں سمیت جام شہادت نوش کیا تھا۔ اس بہادری پر آپ کو ستارہ جرات کا اعزاز ملا۔

◆……◆……◆

جسڑ کے محاذ پر دادِ شجاعت دینے والے ایک جانباز کا تذکرہ

کیپٹن محمد حمید اللہ خان سنبل شہید

کیپٹن محمد حمید اللہ خان سنبل معرکہ چھ ستمبر 65ء کے ایک روشن کردار کا نام ہے ۔شہید کے بھائی میجر (ر) افتخار اللہ خان سنبل، بھتیجے محمد نوید خان سنبل اور سنبل خاندان کے دیگر افراد کیپٹن حمید اللہ سنبل شہید کی قربانی اور جانثاری پر آج بھی فخر محسوس کرتے ہیں۔ آپ 19 جنوری 1933ء کو میانوالی میں پیدا ہوئے ، والد گرامی کا نام محمد عطاء اللہ خان سنبل ہے جو پاک فوج سے لیفٹیننٹ کرنل کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔آپ کے دادا سردار احمد خان سنبل بھی فوج میں اعلیٰ عہدے پر تعینات رہے۔

کیپٹن شہید ایک فوجی خاندان سے تعلق رکھتے تھےاوراس میدان میں آپ کے خاندان نے ہمیشہ کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ میانوالی کی سنبل قوم نیازی قبیلے کی ایک شاخ ہے جس کا شمار غیرت منداور باشعور قبائل میں ہوتا ہے۔اس قوم سے وابستہ اکثر لوگوں نے تعلیم کو اپنا شعار بنایا اور فوج سمیت مختلف شعبوں میں اپنا نام پیدا کیا۔سردار احمد خان سنبل (المعروف خان صاحب)،سابق آئی جی پنجاب اقبال خان سنبل،سابق سیکرٹری حکومتِ پنجاب حیات اللہ خان سنبل، بریگیڈیئر ریٹائرڈ ڈاکٹر ظفر اللہ خان سنبل وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔علاوہ ازیں اس خاندان کے افراد

آج بھی اپنی تعلیم اور صلاحیتوں کے بل بوتے پر اہم سرکاری عہدوں پر تعینات ہیں جن کے متعلق راقم الحروف سمجھتا ہے کہ ان حضرات کے نام یہاں ظاہر کرنا درست نہیں۔

کیپٹن حمید اللہ سنبل نے میٹرک کا امتحان اوکاڑہ سے پاس کیا۔ مزید تعلیم کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور بی اے کرنے کے بعد دفاعِ وطن کا جذبہ انہیں پاک فوج میں لے آیا۔ آپ نے 1956ء میں نائن سگنلز میں کمیشن حاصل کر کے 12 پی ایم اے لانگ کورس میں شمولیت اختیار کی۔ ایس ایس جی کمانڈو کی تربیت بھی حاصل کی' بعدازاں ایس ایس جی سے واپس اپنی یونٹ میں آئے، رجمنٹ آف آرٹلری (توپ خانہ) میں سیکنڈ لیفٹیننٹ کے عہدے پر تعینات ہوئے اور یونٹ 31 فیلڈ رجمنٹ آرٹلری کا حصہ بنے۔ 1963ء میں حکومتِ پاکستان نے انہیں ایک اہم فوجی کورس کے لئے امریکہ کی Oklahoma Military Academy میں بھیجا جہاں انہوں نے عسکری قابلیت اور تعلیمی جوہر کا لوہا منوایا۔

ایک امریکی اخبار نے ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا تھا: ''فورٹ سل مواصلاتی سکول کے طالب علم اور پاکستانی فوج کے کیپٹن حمید اللہ سنبل پاکستان کے ایک بہادر، اعلیٰ جنگجو ہیں اور قابل فخر روایات کے امین ہیں۔ ہمیں بھی ان پر فخر ہے''۔ (۱)

محمد حمید اللہ خان سنبل شہید 1965ء کی جنگ میں کیپٹن کی حیثیت سے فرائض

۱- (بحوالہ: تاریخ نیازی قبائل، از: اقبال خان نیازی۔ ہفت روزہ ''بادبان'' لاہور۔ بابت 9تا15 ستمبر 1981ء)

انجام دے رہے تھے۔آپ نے سیالکوٹ کے جسڑ محاذ پر ایک دستے کی قیادت کرتے ہوئے دادِ شجاعت دی اور دشمن فوج کی شدید فائرنگ اور شیلنگ کے باوجود اپنے بہادر جانثاروں کے ہمراہ دشمن کے علاقے میں کئی کلومیٹر تک اندر فتح کے جھنڈے لہراتے چلے گئے۔آپ نے چھ ستمبر سے 10 ستمبر کی شام تک دشمن فوج کو سخت پریشانی سے دوچار کیے رکھا اور ہندو بنیا ان بہادروں کی پلٹ جھپٹ کی تاب نہ لا کر مسلسل پسپا ہوتا گیا۔

کیپٹن حمید اللہ سنبل نے اس جنگ میں فور فرنٹیئر فورس رجمنٹ (انفنٹری) کے ہمراہ بطور آرٹلری آبزرور حصہ لیا۔دس ستمبر کی شام آپ دشمن سے بے پرواہ ہو کر اپنے مورچے سے اس کی فوجی پوزیشن اور نقل وحرکت کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک گولہ ان کے مورچے پر آن لگا جس سے آپ شدید زخمی ہو گئے۔انہیں فوری طور پر سی ایم ایچ سیالکوٹ لے جایا گیا جہاں اگلے روز آپ نے جام شہادت نوش کیا۔حمید اللہ سنبل شہید کی نمازِ جنازہ 12 ستمبر کو آبائی علاقہ قصبہ گھنڈی میانوالی میں ادا کی گئی اور آپ مقامی قبرستان میں آسودہ خاک ہوئے۔حکومتِ پاکستان نے ان کی خدمات کے اعتراف میں بستی گھنڈی کے ریلوے اسٹیشن کا نام ان کے نام پر رکھا اور شاید میانوالی کے بہت کم لوگ جانتے ہوں کہ ”ریلوے اسٹیشن سنبل حمید“ انہی کے نام سے منسوب ہے۔

◆......◆......◆

دہشت گردوں کے خلاف برسر پیکار رہنے والا نڈر سپوت

کیپٹن سلمان سرور شہید

پنجاب پولیس میں ایس پی امتیاز سرور کا نام نامی ہرگز تعارف کا محتاج نہیں۔ان کا شمار ان چند افسروں میں ہوتا ہے جو فرض شناسی اور حب الوطنی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ان کے متعلق میں اکثر سوچتا ہوں کہ ہمارے ہاں عموماً صرف بلند و بانگ دعوؤں سے کام چلایا جاتا ہے اور عملی کارکردگی صفر ہی رہتی ہے لیکن پنجاب پولیس کے اس بہادر افسر کے قول و فعل میں کہیں بھی تضاد نہیں' اللہ کی ان پر خصوصی عنایت ہے کہ انہوں نے جو کہا پھر اللہ کی توفیق سے اسے کر دکھایا۔

اس سے بڑی ان کی حب الوطنی کی مثال اور کیا ہوگی کہ جس وقت اس دھرتی پر آگ و خون کا خوفناک کھیل جاری تھا اور ہمارے معصوم شہری اور فورسز کے جوانوں کا بے دریغ خون بہایا جا رہا تھا تو اس وقت اس بہادر افسر نے اپنے اکلوتے' چاند سے بیٹے کو خاکی وردی زیب تن کروا کر خیبر ایجنسی جیسی انگار وادی میں دہشت گردوں کی سرکوبی کے لئے اتار دیا اور پھر ان کے بہادر لخت جگر نے اپنے خون کے آخری قطرے تک وطن دشمنوں کا مقابلہ کیا اور آخر کار جام شہادت نوش کر گئے۔ پھر مجھے کہنے دیجئے کہ جب تک اس مفاد پرست اور اغراض دوست معاشرے میں امتیاز سرور جیسے لوگ موجود رہیں گے' اس دھرتی کو کوئی زوال نہیں آسکتا اور انہی بہادر فرزندوں کے

طفیل یہ دھرتی تا صبح قیامت قائم و دائم رہے گی۔

جانے کیوں میرا جی چاہتا ہے کہ میں کیپٹن سلمان سرور شہید کو خراج عقیدت پیش کرنے سے پیشتر اس بہادر اور جری باپ کو سلیوٹ کروں جو اپنی اکلوتی اولاد کو اس وطن پر قربان کر کے بھی کہتا ہے کہ اس وطن نے مجھ سے بھی قربانی مانگی تو میں اس کی ناموس اور تحفظ کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے میں دیر نہیں کروں گا۔

سچ پوچھیں تو میرے پاس تو وہ الفاظ اور جملے بھی نہیں جن کا سہارا لے کر میں اس عظیم گھرانے کو سلام پیش کروں۔ جواں سال محافظ وطن کیپٹن سلمان سرور شہید کے والدِ محترم امتیاز سرور (سپرنٹنڈنٹ پنجاب پولیس) فرطِ جذبات میں کہنے لگے کہ آپ میرے بیٹے کی قربانیوں اور اس کی جدوجہد کے متعلق ایک مضمون لکھنا چاہتے ہیں تو پھر میں اسی حساب سے آپ سے معلومات شیئر کروں گا وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ میں اپنے اس بہادر، جری اور نہایت فرمانبردار بیٹے کی داستانِ وفا اور داستانِ شجاعت سنانے بیٹھوں تو اس کے لئے ایک طویل نشست کی ضرورت ہوگی مگر اس کی باتیں، اس کی حسین یادیں پھر بھی ختم نہ ہوں گی۔

امتیاز سرور کہنے لگے: افواج پاکستان کے جوان ہوں یا افسر' فطری بہادری اور عسکری صلاحیتوں کی بنا پر پورے عالم میں ان کے چرچے ہیں۔ یہ جذبہ شہادت اور اپنی دھرتی کی حفاظت کی خاطر کٹ مرنے کا عزم ہی ہے جس کی وجہ سے انہیں اقوامِ عالم میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ میرے اکلوتے بیٹے کیپٹن سلمان سرور شہید کا تعلق بھی بہادروں اور جرات مندوں کے اسی قبیلے سے تھا۔ اس ہونہار بیٹے نے مورخہ 11 جولائی 1986ء کو جب میرے گھر میں آنکھ کھولی تو لگا جیسے میرے آنگن میں اک چاند سا اتر آیا ہو۔ صرف میں اور میری بیگم ہی کیا ہمارا پورا خاندان ہی خوشی

سے جھوم اٹھا تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا سلمان سرور شہید سے ہمیں بہت سی امیدیں وابستہ ہونے لگیں' اس لئے کہ وہ والدین کا بہت ہی فرمانبردار بیٹا تھا۔

اس نے 2002ء میں میٹرک سائنس اور 2004ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی کا امتحان نہایت اچھے نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ ہماری خواہش تھی کہ ہمارا یہ بیٹا اسی شعبے میں آگے بڑھے، اس نے میڈیکل کا انٹری ٹیسٹ بھی اعلیٰ نمبروں سے پاس لیکن بعدازاں اس نے فوج میں شمولیت کی شدید خواہش ظاہر کی جسے ہم رد نہ کر سکے۔ اس کے جنون کے حد تک اس شوق اور عزم کو دیکھتے ہوئے ہم بھی اسے فوج میں بھیجنے پر رضامند ہو گئے۔ کیپٹن سلمان سرور شہید 15 جنوری 2005ء کو پاک فوج میں کمیشن حاصل کر کے پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول ایبٹ آباد میں 115 لانگ کورس کے ذریعے آرمڈ کور کی 42 لانسرز یونٹ میں شامل ہوئے۔ ملک کے مختلف علاقوں میں فوجی خدمات انجام دیں' ہیوی انڈسٹریز آف ٹیکسلا (HIT) کے چیئرمین جنرل ایاز سلیم رانا کے اے ڈی سی کے طور پر بھی تعینات رہے۔ وہ ایک جرات مند اور فرض شناس فوجی افسر کے طور پر جانے جاتے تھے۔ اپنے گھر، خاندان اور فوجی ساتھیوں کے ساتھ ان کا رویہ نہایت ہی دوستانہ رہا۔ شہادت سے قبل وہ آخری بار 25 اپریل 2013ء کو چھٹی آئے، بس یہی ان سے آخری ملاقات تھی پھر اس کے بعد وہ اپنے اس عظیم مشن پر روانہ ہو گئے جس کی خواہش ہر مومن مسلمان کرتا ہے، یعنی اللہ کے راستے میں شہید ہونے کی خواہش۔

انہیں ''آپریشن المیزان'' میں شرکت کا جب حکم ملا تو وہ بڑی استقامت اور جرات کے ساتھ آگے بڑھے اور خیبر ایجنسی میں دہشت گردوں اور وطن دشمنوں کے خلاف صف آرا ہوئے۔ انہوں نے اپنی یونٹ کے ساتھیوں کے ہمراہ

خیبر ایجنسی میں قیام امن کی خاطر انتھک جدوجہد کی اور دن رات ایک کر کے اپنی دھرتی سے غیر ملکی ایجنٹوں اور دہشت گردوں کی سرکوبی کے لئے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ انہوں نے گوریلا کارروائیوں میں مہارت رکھنے والے پاکستانی فوج کے ایک گروپ (ایس او جی) اسپیشل آپریشنز گروپ میں شامل ہو کر دہشت گردوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

مورخہ 14 مئی 2013ء کو آپ انگوراڈہ کے علاقے میں ایک کارروائی میں شریک تھے کہ دہشت گردوں کے خلاف ایک سخت معرکہ میں آپ نے صرف 27 برس کی عمر میں جام شہادت نوش کیا۔ مورخہ 15 مئی کو ان کی نمازِ جنازہ لاہور میں ادا کی گئی جس میں ہزاروں لوگوں اور مختلف دینی، سیاسی سماجی شخصیات اور اعلیٰ حکام نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اس شہیدِ وطن کی روح کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کا اہتمام 17 مئی کو جامع مسجد غوثیہ دار القرآن برکت مارکیٹ لاہور میں کیا گیا۔ دعا ہے اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور والدین کا دامن صبر و رضا سے بھر دے۔ آمین

◆......◆......◆

گئی جان تو شہادت، ہوئے سرخرو تو غازی

کیپٹن حافظ محمد سرفراز شہید

کیپٹن حافظ محمد سرفراز شہید نے عمرِ عزیز کی کچھ ہی بہاریں دیکھی تھیں اور ابھی ان کے کھیلنے کودنے کے دن تھے کہ انہیں پاکستان آرمی میں شمولیت کا شوق چرایا' یوں وہ اپنی آرام دہ زندگی اور آسائشوں سے بھرپور شب و روز کو خیر باد کہہ کر فوج کا حصہ بن کر کٹھن راہ کا انتخاب کر بیٹھے۔ سیاچن گلیشیئر پوسٹنگ سے قبل وہ کھاریاں کینٹ میں تعینات تھے کہ دنیا کے بلند اور دشوار ترین محاذِ جنگ نے انہیں پکارا' وہ سرحدوں کی پکار پر آگے بڑھے اور فلک بوس پہاڑوں کے مکین ہو گئے۔ انہوں نے سامان حرب باندھا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سیاچن گلیشئر کے شکمہ سیکٹر کا رخ کیا۔ پھر وہ وطن کے دفاع کا عزم لیے اس برف زار میں ایسے گم ہوئے کہ چار ماہ بعد واپس آئے تو اس انداز کے ساتھ کہ شہادت کا تمغہ ان کے سینے پر جگمگا رہا تھا' محبّ وطن لوگوں نے انہیں اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا اور فضاء تکبیر کے نعروں سے گونج رہی تھی۔

یہ 20 اگست 2013ء کی ایک تاریک شب کا قصہ ہے' پاکستان آرمی کی رجمنٹ آف آرٹلری کی یونٹ 55 فیلڈ رجمنٹ کے جوان سیاچن کے شکمہ سیکٹر پر تعینات تھے جن کی کمانڈ ضلع حافظ آباد کے سپوت کیپٹن حافظ محمد سرفراز کر رہے تھے' یہ محافظ ہر طرح کی جارحیت سے نبرد آزما ہونے کے لیے پوری طرح سے تیار اور بیدار تھے کہ رات

کے گیارہ بجے دشمن فوج کی جانب سے آرٹلری کے ان جوانوں پر بلا اشتعال فائرنگ اور شیلنگ کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایسا لگا جیسے حافظ سرفراز دشمن کی چالاکیوں اور چیرہ دستیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت پہلے سے تیار تھے' چنانچہ وہ بھارتی فوج پر آرٹلری فائر کروانے کے لئے بنکر سے نکلے اور اپنے جوانوں کی جانب بڑھنے لگے۔ گولہ و بارود کی فضاء اور بھاری توپ خانے کی لرزاہٹ بھی ان کے عزم راسخ کو کمزور نہ کر سکی اور ان کے پایہ استقلال میں لغزش نہ ڈال سکی۔ وہ اپنے جوانوں کو پکارتے' دشمن سپاہ کو للکارتے مسلسل آگے بڑھ رہے تھے کہ بھارتی فوج نے ان پر مارٹر گن کا گولہ داغا' جو ان کے قریب آ کر بلاسٹ ہوا۔ ان کا وجود زخموں سے چور چور ہوا جن کی تاب نہ لا کر وہ شہید ہو گئے مگر جاتے جاتے اپنے جوانوں کو وہ جنگی اسرار و رموز بتا گئے اور اس انداز سے ان کی ہمت بندھا گئے کہ ان کی شہادت کے بعد دشمن زیادہ تک آرٹلری کے ان جوانوں کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ قوم کے یہ سپوت شکمہ سیکٹر کے اس معرکہ میں دلیری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

حافظ آباد شہر سے خانقاہ ڈوگراں کی جانب روانہ ہوں تو چند کلومیٹر کی مسافت پر ایک گاؤں ''جوریاں'' نام کا آتا ہے۔ پاک وطن کے اس بہادر کمانڈر نے اسی علاقے کی ایک محبّ وطن، معزز اور دیندار شخصیت منصب علی کے گھر آنکھ کھولی، ان کے والد نے بھی آرٹلری میں خدمات انجام دیں، اپنے بیٹے ہی کی یونٹ سے وابستہ رہے اور صوبیدار میجر کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔

کیپٹن سرفراز کے والد اور ان کے چچا محمد اکرم ؒ اپنے فرزند کی فرمانبرداری' ملنساری' بہادری اور دلیرانہ شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے بتانے لگے کہ شہید کیپٹن نے جامعہ فاروقیہ راولپنڈی سے قرآن پاک حفظ کیا اور ایف ایس سی کا امتحان حافظ آباد سے پاس کرنے کے بعد 2007ء میں پاکستان آرمی

میں کمیشن حاصل کر کے پی ایم کا کول پہنچنے میں کامیاب رہے۔ فوج میں کمیشن حاصل کر کے حافظ محمد سرفراز اس قدر خوش تھے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا' ایک وہ ہی کیا ہماری پوری برادری اور خاندان میں بھی ان کے پی ایم اے کا کول پہنچنے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ کیپٹن سرفراز کے والدِ گرامی کا جذبہ بھی قابل رشک ہے اور لائق تحسین بھی کہ انہوں نے جونہی بیٹے کی شہادت کی خبر سنی' مولائے کریم کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئے' انہوں نے کہا کہ ''شہادت خواب تو میرا تھا مگر اسے میرے بہادر بیٹے نے پورا کر دکھایا''۔

شہید کے والد کا حوصلہ اور استقامت دیکھیے کہ جب ان کے عزیز روتے ہوئے ان سے تعزیت کا اظہار کرتے تو وہ انہیں منع کرتے اور کہتے کہ ''ہمیشہ مر جانے والوں کی یاد میں رویا جاتا ہے اور آنسو بہائے جاتے ہیں' میرا بیٹا تو زندہ ہے اور فلسفہ شہادت پر علم پیرا ہو کر وہ دائمی زندگی اور ہمیشہ ہمیشہ کی حیات پا گیا''۔ اس بوڑھے مگر عزمِ جواں کے مالک صوبیدار میجر کے جذبہ کی انتہاء دیکھیے کہ بخوشی اپنے شہید بیٹے کی نمازِ جنازہ پڑھائی' ضلع حافظ آباد کے عوام' سیاسی' سماجی اور مذہبی شخصیات نے ان کی نمازِ جنازہ میں کثیر تعداد میں شرکت کی اور انہیں گاؤں جوریاں کے شہر خموشاں میں سپردِ خاک کیا گیا۔ ان کی شہادت پر اہل حافظ آباد نے شہر بھر میں سبز ہلالی پرچم لہرائے اور گلیاں' سڑکیں خراج عقیدت کے بینروں سے سج گئیں۔

معروف عالم دین اور وفاق المدارس العربیہ کے جنرل سیکرٹری مولانا قاضی عبدالرشید نے بھی شہید کو زبردست الفاظ میں خراج محبت پیش کیا' انہوں نے شہید کے اہل خانہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ''سرفراز شہید ہمارے ہاں درس نظامی

مکمل تو نہ کر سکے تاہم مدرسے سے ان کا تعلق آخری دم تک قائم رہا۔اُن میں دین' ملک اور قوم سے محبت اور خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا' وہ جب بھی چھٹی آتے ہمارے ہاں ضرور آتے' محاذ پر جانے سے پہلے بھی وہ آئے اور کہنے لگے'' میرے لئے دعا کریں کہ اللہ مجھے قبول کرلے''۔حضرت قاضی صاحب کا کہنا تھا کہ ہمیں اپنے اس جوان پر از حد فخر ہے کہ اس نے دشمن سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اپنی جان کو لٹا کر اپنا وعدہ پورا کر دیا اور ہمیشہ کی عزت پا گیا۔یاور عباس کے یہ اشعار ان جیسے نڈر سپوتوں کی بہادری کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں:۔

کبھی بھول کر نہ آنا مری سرحدوں کی جانب
مری سرحدوں کی جانب کبھی بھول کر نہ آنا
بڑی پاک سرزمیں ہے یہاں سنتری کھڑے ہیں
کوئی دشمنوں سے کہہ دے یہاں غزنوی کھڑے ہیں
یہاں بدر کا ہے عالم یہاں حیدری کھڑے ہیں
کبھی بھول کر نہ آنا مری سرحدوں کی جانب
مری سرحدوں کی جانب کبھی بھول کر نہ آنا
فقط اک خدا کو سجدہ ' ہے نشان سرفرازی
مرا نام ہے مجاہد مری آن ہے نمازی
گئی جان تو شہادت ، ہوئے سرخرو تو غازی
کبھی بھول کر نہ آنا مری سرحدوں کی جانب
مری سرحدوں کی جانب کبھی بھول کر نہ آنا

◆......◆......◆

آپ کھیم کرن کے محاذ پر دادِ شجاعت دیتے شہید ہوئے

کرنل صاحب زادہ گل شہید (ستارہ جرأت)

معرکہ چھ ستمبر پاکستان کی دفاعی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔اس جنگ کے ایک ہیرو صوبیدار میجر یار محمد خان (مصنف کے ماموں) جب معرکہ ستمبر کے حالات و واقعات بیان کرتے تو سننے والے کے دل ودماغ میں ایمانی ولولہ اور جذبہء حب الوطنی انگڑائی لینے لگتا۔ پاکستانی سپاہ کے یہ کمانڈران دنوں آرمڈ کور کی یونٹ 20 لانسرز میں تلک پور سیکٹر سیالکوٹ پر تعینات تھے۔جس وقت جنگ کے بادل منڈلانے لگے تو ان کی حربی صلاحیتوں کے پیش نظر عسکری قیادت نے انہیں RR106 کمپنی کا کمانڈر مقرر کر دیا' پھر انہوں نے تلک پور میں اس ذمہ داری کو خوب نبھایا اور دشمن کے ارادوں کو خاک میں ملا ڈالا۔ میں جس وقت ان کے پاس بیٹھا یہ سطور قلمبند کر رہا تھا تو ان کا سفر زیست تقریباً نو دہائیوں کو عبور کر رہا تھا' ان کے اعضا آہستہ آہستہ جواب دینے لگے تھے لیکن جب بھی جنگِ ستمبر کا ذکر آتا وہ پھر سے جواں نظر آتے اور تمام واقعات ایک ایک کر کے ان کی زبان پر مچلنے لگتے۔(صوبیدار میجر یار محمد خان نے تقریباً سو سال کی عمر پائی اور 2015ء میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے)

وہ جس انداز سے شہداء اور غازیوں کے واقعات سناتے اگر انہیں صحیح معنوں میں سپرد قلم کیا جاتا تو یقیناً ایک ضخیم کتاب وجود میں آسکتی تھی۔شہداء سے وابستہ

یادوں کو کریدتے ہوئے وہ بتانے لگے کہ اس جنگ کے ایک گمنام ہیرو کرنل صاحب زادہ گل شہید بھی ہیں۔ جنگ ستمبر کے اس ہیرو کا تذکرہ وفا انہی کی زبانی پیش خدمت ہے۔

کرنل صاحب زادہ گل پاکستانی فوج کی بہادری اور جرأتِ رندانہ کا ایک اہم باب ہے، ان کا تعلق صوبہ خیبر پختونخواہ کے پختون بنگش خاندان سے تھا۔ وہ 30 اپریل 1924ء کو کوہاٹ میں حاجی جلال گل کے ہاں پیدا ہوئے، کرنل صاحب زادہ کے والد قیام پاکستان سے قبل برٹش آرمی میں غیر معمولی خدمات سرانجام دیتے رہے اور بطور کیپٹن ریٹائرڈ ہوئے تھے۔ 1944ء میں کرنل صاحب زادہ گل نے فوج میں کمیشن حاصل کیا اور سندھ رجمنٹ (جو ان دنوں سندھ ہارس کہلاتی تھی) میں تعینات ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے مزید لگن اور خلوص کے ساتھ کام کیا اور ترقی کرتے ہوئے لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے تک پہنچے۔ پیشہ وارانہ قابلیت کو دیکھتے ہوئے آپ کو کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ میں بھی اہم ذمہ داریاں دی جاتی رہیں۔ کرنل صاحب زادہ کو 1964ء میں آرمڈ کور کی 6 لانسرز یونٹ کا کمانڈنگ آفیسر مقرر کیا گیا اور وقتِ شہادت بھی آپ اسی یونٹ کی کمانڈ کر رہے تھے۔

65ء کی جنگ میں آپ اپنی یونٹ کی دلیرانہ قیادت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ کرنل صاحب زاد گل شہید کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ دشمن اس کی تاب نہ لا سکا۔ مورخہ 6 ستمبر کو آپ نے بے سروسامانی کے عالم میں صرف پانچ ٹینکوں اور چند سپاہیوں کی مدد سے کھیم کرن پر پہلا حملہ کیا۔ باوجود اس کے کہ دشمن نے کھیم کرن کا نہایت مضبوطی سے دفاع کر رکھا تھا مگر آپ نے اس شدت اور تیزی کے ساتھ کھیم

کرن کے اندرونی حصار پر ہلہ بولا کہ دشمن اس غیر متوقع حملے سے گھبرا اٹھا۔ کرنل صاحب زادہ خود صف اول میں رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے سر پر جا پہنچے۔ آپ نے دشمن کی 'رائل دکن ہارس فورس' کے دو ٹینک تباہ کئے اور اس کے 28 فوجیوں کو قیدی بنایا۔ آپ دشمن کی طاقت کا صحیح صحیح اندازہ لگانے کے بعد بحفاظت اپنے مستقر پر واپس آ گئے۔ کرنل صاحب زادہ گل اور ان کے جانثار ساتھیوں کے دشمن پر کامیاب شب خون کے بعد مضبوط دفاع کا حامل کھیم کرن اس قدر شکست و ریخت کا شکار ہوا کہ اس پر قبضہ کرنے کے دروازے کھل گئے اور اس سے اگلی رات ہمارے سپاہیوں نے ایک بڑے حملے کی مدد سے کھیم کرن پر مکمل قبضہ کر لیا۔

8 ستمبر کو آپ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور کھیم کرن سے آگے تک بھاگتے دشمن کا تعاقب کیا، شہید کرنل کی طوفانی یلغار کے آگے دشمن بے بس ہو کر رہ گیا اور سخت جانی و مالی نقصان اٹھاتے ہوئے دور کے علاقوں تک مسلسل پسپا ہوتا گیا۔ کرنل صاحب زادہ عسکری وسائل کی عدم دستیابی اور دشمن کی عسکری برتری کے باعث سخت حالات سے مقابلہ کر رہے تھے مگر ان کی دھاک اس انداز سے دشمن پر بیٹھ چکی تھی کہ آپ جس جانب بھی رخ کرتے دشمن راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ آپ بلا خوف و خطر ہر معرکے میں سب سے آگے والے ٹینک سے رجمنٹ کی کمان کرتے رہے اور ایسے پختہ عزم و یقین اور بلند حوصلے و اعتماد کے ساتھ پیش قدمی کرتے رہے کہ ان کی استقامت اور دلیری نے ہر ایک کو حیران و ششدر کر دیا۔

کرنل صاحب زادہ گل کے مسلسل جان لیوا حملوں سے دشمن نے ناقابل تلافی نقصان اٹھایا، ان کے دستے نے گھمسان کا رن برپا کر کے انڈیا کے لاتعداد ''شرمن ٹینکوں'' کو بھی ناکارہ بنایا۔ آپ چھ ستمبر کی صبح سے آٹھ ستمبر رات گئے تک مسلسل دشمن

سے نبرد آزما رہے اور اس کے بھیانک ارادوں کے آگے سدِ سکندری بنے رہے۔ آخر کار 8 ستمبر کی نصف شب دشمن نے اس وقت کرنل صاحب زادہ گل کی بہادر سپاہ پر حملہ کیا جب آپ کو انفنٹری دستوں اور گولہ و بارود کی شدید کمی کا سامنا تھا، لیکن ان حالات میں بھی بہادر کرنل نے پس و پیش سے کام نہ لیا اور نہ ہی اپنی قیادت کے سامنے عسکری وسائل کی کمی کی شکایت کی۔ 8 ستمبر کی شب نصف سے زائد بیت رہی تھی کہ دشمن نے آپ پر ہلہ بولا، اس وقت کرنل صاحب زادہ گل اپنے ٹینک پر بیٹھے دستے کی کمان کر رہے تھے۔ انہوں نے آخری معرکہ میں بھی دشمن کو دیر تلک پریشان کیے رکھا لیکن علی الصبح آپ دشمن کی نظروں میں آ گئے، چنانچہ دشمن نے ان کے ٹینک کے کمان لیو پر مشین گنوں سے اندھا دھند گولیاں برسائیں جو آپ کا جسم چیرتے ہوئے نکل گئیں۔ یوں آپ جس بہادری سے دشمن کے خلاف لڑ رہے تھے اسی دلیرانہ ادا سے شہادت کے سفر پر گامزن ہو کر دائمی حیات پا گئے۔ ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے ستارۂ جرأت سے نوازا گیا۔

اس تاریخی جنگ کے حوالے سے بھارت شروع روز سے اپنی کامیابی کے دعوے کرتا چلا آیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس معرکے میں اس نے صرف ہزیمت اور رسوائی اٹھائی۔ ہمارے جری صفت جوانوں اور کرنل صاحب زادہ جیسی قیادت نے مکار دشمن کے بھیانک ارادے خاک میں ملا ڈالے اور اسے اپنی سرزمین کی جانب ایک انچ بھی نہ بڑھنے دیا۔ دشمن کے خطرناک ارادے ان بہادروں کے عزم اور استقلال کے آگے بھسم ہوئے اور ہمارے سرحدی پہرے داروں، دھرتی کے متوالوں نے دشمن کے کاری وار کو اپنے سینوں پر سہہ کر اس دھرتی کو عظیم تر استحکام بخشا۔

بے شک کرنل صاحب زادہ جیسے شہداء اور صوبیدار یار محمد خان جیسے غازیوں کے جذبہ ایمانی اور جذبہ حب الوطنی کا نتیجہ ہے کہ آج طویل عرصہ بیت جانے کے بعد بھی پاکستانی عوام کے دلوں میں ان کی محبت موجزن ہے، ان کی شجاعت بھری داستانیں زندہ ہیں اور جب بھی ان فرزندوں کا نام سامنے آتا ہے فرطِ جذبات سے ہر آنکھ بھیگ جاتی ہے۔ محسن احسان کا یہ شعر ایسے فرزندوں کو خوب خراج تحسین پیش کرتا ہے ۔

مرا لہو مری مٹی کی آبرو بن جائے
مرے چمن ہی کی مہکار ہو جہاں تک ہو

◆......◆......◆

26 کیولری کا سپوت، معرکہ چھمب جوڑیاں کا ایک ہیرو

لانس دفعدار حشمت دین شہید

وطن عزیز آزادی کے مختصر عرصے بعد ہی چالاک ہمسایہ دشمن کی چیرہ دستیوں کا نشانہ بنا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اسی دشمن کے توسیع پسندانہ عزائم کے سبب پاکستان کو متعدد بار خوفناک جنگوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ حقیقت تاریخ کے صفحات پر مرقوم ہے کہ جب بھی دشمن نے ہمیں للکارا سرحدوں پر موجود ہمارے محافظوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر اس کے عزائم کو خاک میں ملایا اور اپنے سرخ لہو سے جراتِ رندانہ کے وہ چراغ روشن کئے جن کی روشنی آج بھی ماند نہیں پڑی۔ چشمِ فلک نے دیکھا کہ جب بھی وطن عزیز پر جنگ مسلط کرنے کی کوشش کی گئی ہمارے شاہین صفت جوانوں میں نہ تو شوقِ شہادت کا فقدان رہا اور نہ ہی جرات و بہادری کی کمی رہی، وہ قطار اندر قطار آتے گئے اور اپنی خوبصورت جوانیوں کو لہو رنگ کر کے، فتح وظفر کے پرچم لہراتے دشمن کو ناکامی سے دوچار کرتے گئے۔ قیام پاکستان سے اب تک ہزاروں کی تعداد میں ہماری دھرتی کے محافظ دفاع وطن کی خاطر قربانیاں پیش کر چکے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ من حیث القوم اپنے ان قومی ہیروز کی یادوں کو تازہ کرتے رہیں اور انہیں خراج

عقیدت پیش کرنے کا سلسلہ جاری رکھیں کیونکہ جو قومیں اپنے ہیروز کو یاد رکھا کرتی ہیں وہی سر اٹھا کر جیتی ہیں اور جو اپنے ان سپوتوں کو فراموش کر دیتی ہیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دی جاتی ہیں۔

وطن عزیز کے قومی ہیروز کی طویل فہرست میں ایک گمنام کردار لانس دفعدار حشمت دین کا ہے، آپ ایک جفاکش اور نڈر سپاہی تھے اور جو قومی فرض انہیں سونپا گیا تھا اسے نہایت ذمہ داری سے ادا کرتے ہوئے وطن پر قربان ہوئے۔ حشمت دین ضلع بھکر صوبہ پنجاب کے ایک قصبہ چھینہ میں 1939ء کو اسلام دین کے ہاں پیدا ہوئے، آپ کا تعلق راجپوت خاندان سے تھا۔ حشمت دین ابتدائی تعلیم بھکر سے حاصل کر کے فوج کے آرمڈ گروپ میں شامل ہوئے اور یونٹ 26 کیولری کا حصہ بنے۔ آپ نے فوج میں 14 سال تک خدمات انجام دیں اور ملک کے مختلف علاقوں میں تعینات رہے۔ 1971ء میں جب بھارت نے پاکستان پر فوجی چڑھائی کی کوشش کی تو اس وقت لانس دفعدار حشمت دین اپنی یونٹ کے ہمراہ چھمب جوڑیاں کے محاذ پر ڈیوٹی پر مامور تھے۔

آپ نے قوم پر آنے والی اس مشکل ترین گھڑی میں جرات اور بہادری کی وہ داستان رقم کی جس پر آج بھی تاریخ کو ناز ہے۔ جس وقت میدان کارزار گرم ہوا آپ ٹینک ڈرائیو کر رہے تھے۔ آپ کے ساتھ ٹینک میں سوار دوسرے ساتھی نائب رسالدار غلام حسین ڈھول تھے جو قصبہ چھینہ بھکر ہی کے رہنے والے تھے' کے مطابق: حشمت دین شہید نے اپنے جاں نثار ساتھیوں کے ہمراہ دشمن پر ہلہ بول کر اسے پسپا

ہونے پر مجبور کر دیا تھا، آپ کے مضبوط حوصلے اور فیصلہ کن یلغار سے دشمن گھبرا اٹھا۔

قوم کے ان بہادر فرزندوں نے غیر معمولی جرات اور استقامت سے دشمن کا مقابلہ کیا اور اسے بھاری جانی و مالی نقصان پہنچایا اور اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ ایک اندازے کے مطابق آپ نے دشمن کے 9 شرمن ٹینکوں کو ناکارہ بنایا تھا۔ مورخہ 6 دسمبر 1971ء کو رات کی تاریکی میں دشمن کی طرف سے بہت بڑا حملہ ہوا، آپ نہایت پامردی اور استقامت سے دشمن کی راہ میں حائل رہے اور اس کے ناپاک قدم اپنی دھرتی کی جانب نہ بڑھنے دیے۔ اسی گھمسان کے معرکہ میں آپ کا ٹینک تباہ ہوا اور دیگر 13 ساتھیوں کے ہمراہ شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔ پاک فوج کے یہ جری جوان دشمن کو اس قدر کاری ضرب لگا گئے کہ ان کی شہادت کے بعد بھی اسے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس معرکہ میں حشمت دین کے قریبی ساتھی رسالدار غلام حسین ڈھول معجزانہ طور پر محفوظ رہے۔

ایل ڈی حشمت دین شہید کی شجاعت اور جوانمردی کی داستانیں آج بھی آرمڈ گروپ اور ان کی یونٹ 26 کیولری میں زبان زدِ عام ہیں۔ ان کی شہادت کے ایک ماہ بعد ان کا بیٹا نصیر الدین پیدا ہوا جس نے میٹرک کے بعد شہید والد کی کور میں شمولیت اختیار کی اور یونٹ 58 کیولری کا حصہ بنے۔

لانس دفعدار حشمت دین شہید کا جسدِ خاکی نائب رسالدار غلام حسین ڈھول اور دیگر فوجی ساتھیوں کی معیت میں ان کے آبائی گاؤں لایا گیا۔ ان کی نمازِ جنازہ میں علاقہ بھر کے لوگوں نے شرکت کی اور انہیں چھینہ قبرستان

میں سپردِ خاک کیا گیا۔ علاقہ چھینہ کے لوگ طویل مدت گزرنے کے بعد بھی حشمت دین شہید کو نہیں بھولے اور اس قومی ہیرو کی دلیری و بہادری کو از حد سراہتے ہیں ۔ سچ تو یہ ہے کہ لانس دفعدار حشمت دین شہید اور ان کے ساتھیوں نے ایثار اور قربانی کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا اسے چند الفاظ میں خراج تحسین نہیں پیش کیا جا سکتا۔

◆......◆......◆

دفاع وطن کی خاطر تاریخ ساز جدو جہد کرنے والے

میجر جنرل محمد حسین اعوان شہید

ہر سال جب بھی 17 اگست گزرتا ہے اور 6 ستمبر کی آمد آمد ہوتی ہے مجھے ایک بھولی بسری شخصیت یاد آنے لگتی ہے اور میرا ذہن مختلف سوچوں میں ڈوبا چھمب جوڑیاں سے لے کر بستی لال کمال تک محو سفر رہتا ہے۔ جب بھی یہ دن آتے ہیں مجھے دھرتی کا ایک ناقابل فراموش کردار میجر جنرل ملک محمد حسین اعوان یاد آنے لگتا ہے۔ جن بہادر سپوتوں نے اپنا لہو دے کر اس دھرتی کو استحکام بخشا ان میں میجر جنرل محمد حسین اعوان کی شخصیت بھی سر فہرست ہے۔ آپ آرمڈ کور کے مایہ ناز افسر تھے، آپ نے چھ ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں چھمب جوڑیاں کے محاذ پر دشمن فوج کے دانت کھٹے کر دیئے اور آپ کے زیر کمان سپاہیوں کی جرات اور ہیبت سے ہندو فوج مسلسل پسپا ہوتی چلی گئی تھی۔

محمد حسین اعوان اور ان کے جانباز سپاہی دشمن فوج کے حلق کا کانٹا بن کر رہ گئے اور اسے چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا تھا۔ سرزمین چھمب جوڑیاں آج بھی ان بہادر فرزندوں کو سلام پیش کرتی ہے، ہمیں چاہیے کہ اپنے ان عظیم سپاہیوں کو گاہے گاہے یاد کرتے رہیں اور انہیں خراج تحسین پیش کرنے کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے کیونکہ زندہ قومیں ہی اپنے ہیروز کو یاد کیا کرتی ہیں۔ محمد حسین اعوان شہید نے جرات اور بہادری کا

جو سفر 65ء میں شروع کیا تھا وہ 17 اگست 1988ء تک جاری رہا اور 17 اگست کی ایک افسوس ناک شام آپ نے بستی لال کمال لودھراں کے مقام پر جام شہادت نوش کیا۔ جنرل صاحب ایک انتہائی نیک اور خدا ترس انسان تھے' روایتی جرنیلوں والی اکڑفوں اور تکبر ہرگز نہ تھا۔ آپ ہمیشہ غریبوں کی دادرسی کرتے اور ہر ایک سے اخلاق سے پیش آتے۔ اکثر کہا کرتے کہ مجھے یہ جرنیلی غریبوں کی دعاؤں کے صدقے ملی ہے۔ جنرل شہید کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ جو شخص بھی ان سے ایک بار ملتا وہ ان کا گرویدہ ہو جاتا۔

میجر جنرل محمد حسین اعوان شہید کے بیٹے فرخ حسین اعوان مجھے بتا رہے تھے کہ جنرل شہید کا آبائی علاقہ گاؤں کورڈھی (وادی سون سکیسر) ضلع خوشاب ہے۔ آپ 1935ء کو ضلع سرگودھا کے چک نمبر 77 جنوبی میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم چک 77 میں حاصل کی' میٹرک بھاگٹانوالہ گورنمنٹ ہائی سکول سے کیا اور ایف سی کالج لاہور سے انٹرمیڈیٹ اور گریجویشن تک تعلیم حاصل کی۔ مورخہ 20 اکتوبر 1959ء کو سیکنڈ لیفٹیننٹ کی حیثیت سے آرمڈ کور یونٹ الیون کیولری میں کمیشنڈ حاصل کیا۔ سکول آف آرمر نوشہرہ سے ابتدائی فوجی کورسز امتیازی حیثیت سے مکمل کیے اور جنرل صاحبزادہ یعقوب خان کے ساتھ بطور اے ڈی سی تعینات ہوئے۔ اس دور میں انہوں نے خوب عسکری تجربات حاصل کیے۔ اپنے شعبے سے لگن اور خلوص کی بنا پر بہت جلد ترقی کرتے گئے اور 1974ء میں انہیں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی دے کر الیون کیولری فرنٹیئر فورس رجمنٹ کی کمان سونپی گئی۔ اس وقت ان کے جی او سی میجر جنرل فضل حق تھے۔ 1976ء میں آپ کو فل اعزازی کرنل کے عہدے پر ترقی دے کر جرمنی میں ڈیفنس اتاشی تعینات کیا گیا۔ 1980ء میں آپ بریگیڈیئر کے

عہدے پر ترقی پا گئے اور آرمڈ کور سینٹر نوشہرہ میں بطور کمانڈنٹ مقرر ہوئے۔

انہوں نے اس سینٹر کی تعمیر نو میں اہم کردار ادا کیا اور یہاں یادگار شہداء تعمیر کرائی۔ بعد ازاں بریگیڈ کمانڈر 9 بریگیڈ کھاریاں تعینات ہوئے، ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر راولپنڈی بھی تعینات رہے۔ انہی دنوں اٹک کونسپرسی کیس کے پریزیڈنٹ بھی تھے۔ یہ کیس جنرل ضیاء الحق کا تختہ الٹنے کی سازش پر مشتمل تھا۔ جنرل اعوان نے بڑی خوش اسلوبی سے اس کیس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ 1985ء میں ان کے پیشہ وارانہ عسکری تجربے کے پیش نظر میجر جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی اور جی او سی 23 ڈویژن جہلم تعینات ہوئے۔ یہ ڈویژن چھمب سے چکوٹھی تک پھیلا ہوا ایک وسیع اور حساس ڈویژن ہے۔ انہوں نے بارڈر ایریا پر بے شمار پختہ بنکرز اور پوسٹیں بنوائیں، ساتھ ہی مقامی لوگوں کے لیے سکول، سڑکیں، ڈسپنسریاں تعمیر کروائیں، اور انہیں جان و مال کا تحفظ بھی دیا۔ اس دور میں جنرل ضیاء الحق اور متعدد سینئر فوجی افسران نے جہلم ڈویژن کا دورہ کیا اور ان کی کمان پر بھرپور اعتماد کا اظہار کیا۔ جنرل ضیاء الحق کے ساتھ آپ کا خصوصی برادرانہ اور قریبی تعلق تھا جس کی وجہ سے وہ آپ سے بیشتر عسکری معاملات میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ جنرل شہید کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کی زیر نگرانی این ایل سی کے مرسڈیز ٹرالے اور عسکری سامان آیا، جہلم میں ایک پرائیویٹ سکول جس کا نام کانوینٹ ہائی سکول ہے، کے دو نئے بلاکس کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔

یہ 14 اگست 1988ء کی ایک شب تھی جب صدر مملکت جنرل ضیاء الحق کا پیغام آیا کہ بہاولپور میں ٹینکوں کے ٹیسٹ ٹرائل ہیں میں چاہتا ہوں آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ یوں آپ بہاولپور پہنچ گئے۔ ٹینکوں کے یہ ٹرائل 17 اگست کو ختم ہوئے، جب

آپ جنرل ضیاء الحق کو ایئر پورٹ پر الوداع کہنے لگے تو انہوں نے کہا: "اعوان صاحب! میرا دل چاہتا ہے آپ ہمارے ساتھ آ جائیں۔اس وقت کے چیف آف جنرل سٹاف میاں افضال بھی موجود تھے انہوں نے کہا میرے بغیر جنرل محمد حسین کبھی آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے جبکہ جہاز میں جگہ ہی نہیں۔ یہ سن کر جنرل ضیاء الحق مسکرائے اور جہاز میں موجود دو فوجی افسروں کو اتار کر میجر جنرل محمد حسین اعوان اور جنرل افضال کو اپنے ساتھ بٹھا لیا۔شاید یہ اس لئے تھا کہ جنرل محمد حسین اعوان کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے۔طیارے نے اڑان بھری اور پھر بستی لال کمال لودھراں کے مقام پر ملکی تاریخ کا المناک ترین حادثہ پیش آیا جس میں جہاز میں سوار تمام افراد لقمہ اجل بن گئے جن میں جنرل محمد حسین اعوان بھی شامل تھے۔

از حد افسوس ہوتا ہے کہ مارشل لاء نظام کا حصہ ہونے کی بنا پر جنرل محمد حسین اعوان شہید جیسے قابل فخر سپوت کو فراموش کر دیا گیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کی جگہ اور کوئی جنرل ہوتا تو وہ بھی اسی طرح اس فوجی نظام کا حصہ ہوتا تاہم یہ حقیقت ہے کہ جنرل محمد حسین اعوان کی ملکی اور قومی خدمات کو کبھی بھی نہیں بھلایا جا سکتا۔آپ نے جس انداز سے ملک کی خدمت کی اور ملکی سالمیت اور دفاع کے لئے کردار ادا کیا وہ قابل فخر ہے۔دفاع وطن کی خاطر ان کی تاریخ ساز جدو جہد کو فراموش کر دینا یقیناً ناانصافی ہوگی۔

◆......◆......◆

ایئر بیس کی حفاظت کرتے ہوئے جان کا نذرانہ پیش کرنے والے

جونیئر ٹیکنیشن احسان الرحمٰن شہید

سرزمینِ فتح جنگ ضلع اٹک کے قابل فخر فرزند احسان الرحمٰن شہید نے مورخہ 23 اکتوبر 2009ء کو پاکستان ایئر فورس کے منہاس ایئر بیس کامرہ پر دشمن کا حملہ ناکام بنایا۔ یہ 23 اکتوبر کی علی الصبح کی ایک خون رنگ داستان ہے جب ایک خود کش حملہ آور گولہ وبارود سے لیس ہو کر بیس کی جانب بڑھا لیکن شاید یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی تھی کہ اس کا پالا ایک ایسے فرض شناس شاہین صف نوجوان سے پڑے گا جس نے بہرصورت اپنے بیس کے تحفظ کی قسم کھائی ہے۔

اس دن جب پہلی چیک پوسٹ پر تعینات احسان الرحمٰن کو شک گزرا کہ یہ شخص بری نیت سے اس کے بیس کی جانب بڑھ رہا ہے تو اس نے نہایت پھرتی اور چابکدستی سے آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہا اور اسے اپنا سیکیورٹی پاس چیک کرانے کو کہا' جب خود کش حملہ آور نے احسان الرحمٰن کے اس سوال کے جواب میں زبردستی اندر گھسنے کی کوشش کی تو احسان الرحمٰن نے اسے اپنے آہنی ہاتھوں سے جکڑ لیا، اسی دوران ایک زوردار دھماکہ ہوا اور دوسرے ہی لمحے احسان الرحمٰن اپنے ملک وقوم پر قربان ہو چکا تھا۔

احسان الرحمٰن شہید یکم فروری 1982ء کو پیدا ہوئے، ان کا تعلق تحصیل فتح جنگ

ضلع اٹک سے تھا۔ گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1 فتح جنگ سے میٹرک سائنس کا امتحان پاس کیا۔ یکم مارچ 2002ء کو پاک فضائیہ جوائن کرنے کے بعد کوہاٹ اور سکول آف ایئرونائکس کراچی میں اٹھارہ ماہ کی تربیت مکمل کی۔ احسان الرحمٰن شہید اپنے چھ بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھے۔ احسان الرحمٰن کے والدِ محترم عبدالرحمٰن صاحب کا شمار علاقہ کی معزز شخصیات میں ہوتا ہے۔ وہ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر ہیں اور انہوں نے عرصہ 35 سال تک گورنمنٹ ہائی سکول حطار میں فرائض منصبی بطریق احسن انجام دیے اور علاقہ کے لاتعداد لوگوں کو علم کی دولت سے مالا مال کیا۔ شہید بیٹے کے اس بہادر باپ نے بیٹے کی شہادت کی خبر سن کر فرطِ جذبات میں کہا تھا:

''اے وطن تیری بقاء وسلامتی کی خاطر اگر میں باقی پانچ بیٹے بھی قربان کر دوں تو بھی یہ گھاٹے کا سودا ہرگز نہیں''۔

شہید کے والد نے ''ہلال'' کو بتایا کہ احسان الرحمٰن شہید کو ہوش سنبھالتے ہی پاک فضائیہ میں شمولیت کا شوق تھا۔ آسمانوں پر محو پرواز پاک فضائیہ کے لڑاکا طیارے اس کی توجہ کا خصوصی مرکز ومحور ہوا کرتے۔ ایئر فورس میں حتمی سلیکشن کے بعد تو اس کا جذبہ اور ولولہ قابل دید تھا۔ احسان الرحمٰن کی پاسنگ آؤٹ پریڈ تقریب میں میں نے شرکت کی تھی اور بیٹے کو پاکستان ایئر فورس کی یونیفارم میں ملبوس دیکھ کر میری آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں تھیں اور میرا دل مچل سا گیا تھا۔ مجھے مزید خوشی اس وقت ہوئی جب احسان الرحمٰن شہید کے افسروں نے دوران تربیت میرے بیٹے کی شاندار کارکردگی کو ازحد سراہا۔ جوان بیٹے کی موت کا دکھ بھلا کسے نہیں ہوتا، بے شک یہ دکھ و ملال مجھے بھی ہے مگر جب میں سوچتا ہوں کہ امن و استحکام کی خاطر اس دھرتی کو میرے بیٹے کی قربانی درکار تھی تو پیارے وطن کا منظر آنکھوں کے سامنے آتے ہی بے

چین دل کو جانے کیوں قرار سا آجاتا ہے۔ میرے لئے یہ بہت اعزاز کی بات ہے کہ باری تعالیٰ نے مجھے شہید بیٹے کا باپ بنایا۔ احسان الرحمٰن کی والدہ نے بتایا کہ احسان کو مجھ سے خاص محبت تھی۔ وہ جب بھی چھٹی آتا میرے پاس گھنٹوں بیٹھ کر باتیں کیا کرتا۔ احسان الرحمٰن تو میرا نہایت فرمانبردار بیٹا تھا۔ آخری بار جب وہ چھٹی آیا تو کہنے لگا امی اگر مجھ سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہو جایا کرتے تو معاف کر دیا کریں۔ نہ جانے کیوں احسان کے یہ الفاظ سن کر مجھے انجانا خوف لاحق ہو رہا تھا۔

شہید کے بڑے بھائی پاک فضائیہ کے جوان ضیاء الرحمٰن نے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ احسان الرحمٰن شہید کی یادیں ہم کبھی بھی بھلا نہ پائیں گے۔ احسان الرحمٰن تو بس ہم پر اللہ کا خاص ''احسان'' تھا۔ وہ جب بھی مجھے ملتا شہادت کی آرزو کرتا نظر آتا۔ ایک دوست نے جب بھائی احسان الرحمٰن کو اپنی شادی کی دعوت دی تو اس نے کہا کہ دیکھنا دوست! میں کس شان سے تمہاری شادی میں شریک ہوں گا اور پھر 23 اکتوبر کو جب اس دوست کی شادی کی تقریب عین عروج پر تھی تو اسی وقت میرا یہ بہادر بھائی ملک وقوم پر قربان ہو کر شہادت کا تاج سر پر سجائے آیا۔ جب بھائی پاسنگ آؤٹ پریڈ کے بعد گھر آیا تھا تو وہ وردی پہن کر تمام گھر والوں سے ملا اور مجھے کہنے لگا بس بھائی میرے دل کی مراد پوری ہو چکی اور جو میں نے اپنے رب سے مانگا مجھے مل گیا۔ شہید احسان الرحمٰن کے بہنوئی' پاک نیوی کے جوان پرویز خان نے بتایا کہ شہادت سے تین ماہ قبل میرے پاس کراچی آیا تو کہنے لگا میں نے مزار قائد پر جانا ہے اور وہاں فوٹو بنوانی ہے، میں اسی وقت تیار ہوا اور احسان الرحمٰن کی یہ خواہش جلد پوری کر ڈالی۔ احسان بھائی کے کام آکر میں دلی طور پر مسرت محسوس کرتا تھا۔

جونیئر ٹیکنیشن احسان الرحمٰن شہید کے والدین اور بھائی ضیاء الرحمٰن، جاوید اقبال

عابد، قیصر رحمان، اویس الرحمٰن، وقاص الرحمٰن، دوست واحباب اور اہل علاقہ اس کی محبت بھری یادیں تازہ کرتے ہیں اور اسے خوبصورت لفظوں میں یاد کرتے ہیں۔ بلاشبہ اس جری صفت نوجوان نے اپنی سب سے قیمتی متاع قربان کر کے دھرتی کی تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کر کے لاتعداد لوگوں کی جانیں بچانے والے اس نوجوان کو اہل وطن کبھی بھی فراموش نہ کر پائیں گے۔

◆......◆......◆

پاکستان ایروناٹیکل کمپلیکس کامرہ کا محافظ

سپاہی محمد اقبال شہید

پاکستانی فوج کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس سے وابستہ ہر یونٹ، گروپ اور فوجی دستے نے دھرتی کے دفاع کے لیے کبھی بھی سستی یا کاہلی کا مظاہرہ نہیں کیا اور یہ محافظ ہمیشہ وطن دشمنوں کے حلق کا کانٹا بن کر رہ گئے۔ اسی بہادر سپاہ کے اہم ترین گروپ رجمنٹ آف آرٹلری کی یونٹ 90 میڈیم کے لیفٹیننٹ کرنل کلبِ عباس کو اپنے اس فوجی جوان پر فخر ہے جو ایک انتہائی مشکل اور کڑے لمحے میں دشمنان وطن کے سامنے سدِ سکندری بن گیا، ان کے عزائم خاک میں ملا ڈالے اور بالآخر ایک خون ریز معرکے میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر کے حیاتِ جاودانی پا گیا۔ اس شیر دل جواں کا نام محمد اقبال تھا جس نے پاکستان کے اہم ترین دفاعی مرکز پاکستان ایروناٹیکل کمپلیکس کامرہ کی حفاظت دل و جان سے کی اور دشمن کی راہ میں اپنے سرخ لہو کی ایسی لکیر کھینچ ڈالی جس سے آگے بڑھنا دشمن کے بس کی بات نہیں تھی اور وہ بالآخر ناکام و نامراد تاریک راہوں میں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

سپاہی محمد اقبال شہید 6 جون 1985ء کو ضلع خوشاب کے گاؤں برج مہرہ میں پیدا ہوا، ان کے والد میاں خان محمد نے اس ہونہار بیٹے کی پیدائش پر گاؤں بھر میں خوشی کا سمان پیدا کر دیا تھا کہ باری تعالیٰ نے ان کے آنگن کو ایک خوبصورت پھول

سے نواز دیا تھا، پھر انہوں نے اس بیٹے کی تعلیم و تربیت میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ سپاہی محمد اقبال صوم و صلوٰۃ کا پابند، اپنے والدین کا حد درجہ فرمانبردار اور مادرِ وطن سے بے پناہ محبت رکھتا تھا۔

2002ء میں میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد پاکستانی فوج میں شمولیت کا شوق اسے رجمنٹ آف آرٹلری کے ٹریننگ کیمپ میں لے آیا۔ وہ 10 اپریل 2007ء میں فوج کے اس اہم ترین گروپ میں گنر کی حیثیت سے شامل ہوئے اور ان کے شب و روز فوجی کیمپوں میں بیتتے چلے گئے۔ پاسنگ آؤٹ پریڈ کے بعد سیالکوٹ، کھاریاں اور وزیرستان میں فرض کی ادائیگی کے بعد قسمت انہیں جنوری 2012ء میں پاکستان ایروناٹیکل کمپلیکس کامرہ میں لے آئی۔ وہ مسلسل آٹھ ماہ سے اہم دفاعی تنصیبات کی حفاظت میں مگن چلے آرہے تھے کہ آخرِ کاران کی شہادت کی گھڑی قریب آن پہنچی اور وطن نے اپنے استحکام اور دفاع کی خاطر اس بہادر سپاہی سے اپنے خون کا خراج مانگا۔ سپاہی محمد اقبال وطن کی پکار پر لبیک کرتے ہوئے آگے بڑھے اور اپنی جان اس پر لٹادی۔

16 اگست 2012ء اور 27 رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں میں جس وقت پوری دھرتی پر خاموشی اور سکوت کی چادر تن چکی تھی، جدید ہتھیاروں سے لیس درجن بھر مسلح دشمنوں نے پی اے سی پر ہلہ بول دیا اور فضاء گولہ و بارود کے آزادانہ استعمال سے گونجتی چلی گئی۔ جہاں دیگر سیکیورٹی فورسز ان عسکریت پسندوں کے خلاف صف آراء تھیں وہیں رجمنٹ آف آرٹلری کی 90 میڈیم یونٹ کے جواں بھی موقع پر جا پہنچے اور ملک دشمنوں کو آڑے ہاتھوں لے لیا۔ رات ڈیڑھ بجے سے شروع ہونے والا یہ آپریشن دوسرے دن ایک بجے تک جاری رہا اور تمام حملہ آوروں کو انجام تک پہنچا

دیا گیا۔اس کارروائی میں ڈیفنس سروسز گارڈ کے سپاہی محمد آصف موقع پر شہید ہو گئے جب کہ سپاہی محمد اقبال کو شدید زخمی حالت میں پی اے سی ہسپتال میں پہنچایا گیا لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے اور دوسرے روز شہادت کے رتبے پر فائز ہو گئے۔

17 اگست 2012ء کو دن بارہ بجے ان کی نماز جنازہ منہاس ایربیس کامرہ میں ادا کرنے کے بعد سبز ہلالی پرچم میں لپٹا ان کا جسدِ خاکی بذریعہ ہیلی کاپٹر سرگودھا لے جایا گیا اور اسی روز شام چھ بجے ان کی دوسری نمازِ جنازہ آبائی گاؤں برج مہرہ خوشاب میں ادا کی گئی جس میں علاقہ بھر کے سیاسی سماجی حلقوں نے بھرپور ولولے کے ساتھ شرکت کی، انہیں برج مہرہ کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا اور 4 پنجاب رجمنٹ کے مستعد دستے نے لیفٹیننٹ کرنل انتخاب عالم کی قیادت میں گارڈ آف آنر پیش کیا۔شہیدِ وطن کے والد میاں خان محمد، دیگر اہل خانہ اور یونٹ کے آفیسرز،فوجی ساتھیوں نے ''ہلال'' سے گفتگو کرتے ہوئے سپاہی محمد اقبال کی کمال کارکردگی کو ازحد سراہا اور وطن پر جان قربان کر دینے کی اس کی ادا کو تہہ دل سے خراج تحسین پیش کیا۔ بے شک سپاہی محمد اقبال نے اہم فریضہ ادا کرتے ہوئے اپنی جان جیسی قیمتی متاع مادرِ وطن پر وار دی -رہتی دنیا تک اہالیان وطن ان کی شجاعت، جانثاری اور قربانی کو یاد کرتے رہیں گے۔

کلیوں کو میں خونِ جگر دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضاء یاد کرے گی

◆……◆……◆

فرنٹیئر فورس رجمنٹ کی آبرو

لانس نائیک نوید عباس شہید (تمغۂ بسالت)

پاک فوج کے یہ وفادار سپاہی 15 اکتوبر 1981ء کو خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ایلیمنٹری سکول سے حاصل کی اور 1996ء میں میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول خانقاہ ڈوگراں سے پاس کیا۔ آپ ایک انتہائی محنتی، بلند اخلاق اور اچھے اطوار کے مالک محافظِ وطن تھے۔ انہیں پاک فوج میں شمولیت کا شوق تھا جو انہیں 8 اگست 2000ء کو پاک فوج کی مایہ ناز انفنٹری کور فرنٹیئر فورس کے ٹریننگ سینٹر لے آیا۔ عسکری تربیت کی تکمیل کے بعد آپ 21 ایف ایف رجمنٹ اور 327 بریگیڈ کا حصہ بنے۔

نوید عباس نے ملک بھر میں خدمات سرانجام دیں اور سیاچن گلیشیئر، کارگل، مہمند ایجنسی اور باجوڑ ایجنسی میں دشمن کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ چیف آف آرمی سٹاف جنرل (ر) پرویز مشرف کی پرسنل سیکیورٹی پر بھی تعینات رہے۔ انہیں یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ اپنی یونٹ کی جی تھری اعزازی گن دو سال تک ان کے پاس رہی۔

شہید کے بھائی ندیم عباس نے بتایا کہ 2013ء میں نوید عباس کو حکم ملا کہ شمالی وزیرستان کے قریب جنڈولہ سراروغہ میں شدت پسندوں کے خلاف آپریشن میں شامل

ہوں ۔ وہ اپنی یونٹ کے ہمراہ شدت پسندوں کے اس مضبوط گڑھ میں پہنچے اور ان کے خلاف آپریشن میں مصروف ہو گئے ۔ لانس نائیک نوید عباس اور ان کے ساتھیوں نے مضبوط قوتِ ارادی اور اپنی عسکری مہارت کی بنیاد پر اس علاقہ سے شدت پسندوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ مورخہ 25 اگست 2013ء کی شب جنڈولہ سراروغہ آرمی کیمپ پر سیکیورٹی ڈیوٹی پر مامور تھے کہ انہوں نے رات کے تقریباً دس بجے چند مشکوک افراد کو کیمپ کی جانب بڑھتے دیکھا جو فوجی وردیوں میں ملبوس تھے ۔ عسکری مہارت کو کام میں لاتے ہوئے آپ نے انہیں پہچان لیا کہ یہ فوجی نہیں بلکہ دہشت گرد وگروپ ہے جو ان کے کیمپ پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ لانس نائیک نوید عباس نے بروقت انہیں للکارا اور ان پر فائر کھول دیا۔ ان کی اس اچانک کارروائی سے دہشت گرد گھبرا اٹھے ۔ نوید عباس نے پہلے ہی حملے میں ایک دہشت گرد کو مار گرایا' اسی دوران دوسرے فوجی جوان بھی پوزیشنیں سنبھال چکے تھے اور ان کی بھرپور کارروئی سے دیگر دہشت گرد بھاگ کھڑے ہوئے جبکہ ایک حملہ آور نے آگے بڑھ کر خودکش حملہ کر دیا جس سے آپ موقع پر جام شہادت نوش کر گئے ۔ لانس نائیک نوید عباس نے اپنی جان پر کھیل یہ مہلک حملہ ناکام بنا دیا اور اپنے پورے کیمپ کو ایک بہت بڑی تباہی بچا لیا۔ اس قدر غیر معمولی جرات اور بہادری کی بنا حکومت پاکستان کی جانب سے آپ کو تمغہ بسالت سے نوازا گیا۔

شہید وطن لانس نائیک نوید عباس شہید کو مورخہ 28 اگست 2013ء کو اُن کے آبائی علاقہ خانقاہ ڈوگراں میں سپردِ خاک کیا گیا۔ خانقاہ ڈوگراں کے عوام کہتے ہیں

کہ لانس نائیک نوید عباس نے جس پامردی اور بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اس سے ہمارے سر فخر سے بلند ہوئے اور ہمیں خانقاہ ڈوگراں کے اس قابل فخر سپوت پر ہمیشہ ناز رہے گا۔ آپ نے سوگواران میں والدین، بہن بھائی، بیوہ اور تین معصوم بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ دعا ہے ان شہداء کی برکت سے یہ سرزمین ہمیشہ امن کا گہوارہ بنی رہی اور اس دھرتی کے دشمنوں کے ناپاک عزائم ناکامی سے دوچار ہوں۔

◆......◆......◆

لرزاں ہے تم سے تنظیم باطل

سپاہی محمد مہربان شہید

پوری دھرتی پر گہرے اور گھپ اندھیرے کی چادر تن چکی تھی ۔ سڑکوں، چوکوں، چوراہوں، شہروں اور دیہات میں گہرے سناٹے کا راج تھا اور رات نصف سے زیادہ بیت رہی تھی ۔ ایسے میں مہمند ایجنسی کی سرد اور بلند ترین پہاڑی چوٹی پر یہ سر بکف سپاہی اپنے فرض اور اس ذمہ داری سے قطعاً غافل نہ تھا جو اسے ملک وملت کی جانب سے تفویض کی گئی تھی ۔ آر پی جی سیون راکٹ لانچر پر اس کی گرفت مضبوط تھی، اتنی مضبوط کہ ایسا گماں ہوتا تھا اس مہلک ہتھیار کو کسی انسانی ہاتھ نہیں فولادی شکنجے میں جکڑ دیا گیا ہو۔ سرد ہوا کے تیز ترین تھپیڑے، ہر لحظہ دشمن فوج کا اندیشہ، تاحدِ نگاہ پھیلے گھنے جنگلات اور پہاڑوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ......لیکن ان تمام تر حالات کی سختی کے باوجود اس کے عزم میں کمی اور پایہ استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی تھی، اس کی عقابی نگاہیں اس کی بہادری کا پتہ دے رہی تھیں، اتنی اندھیری رات کہ قریب سے بھی کچھ نہ سجھائی دیتا تھا اس کی تیز نظریں شبِ تار کو چیرتی ہوئی بارڈر پر لگی خاردار تاروں کے اس پار مسلسل گشت کیئے جا رہی تھیں۔

جونہی گھڑی نے رات کا ایک بجایا اچانک اسے سرحد پار سے غیر معمولی نقل وحرکت کا اندازہ ہوا، اس منجھے ہوئے سپاہی کو یہ سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہ ہوئی کہ یہ

نقل وحرکت فوجی ہے یا سویلین نوعیت کی، چنانچہ اس نے صورتحال کے متعلق فوری طور پر اپنے کمانڈر کو آگاہ کیا، اس ہلچل میں اس کے دیگر فوجی ساتھی بھی جاگ چکے تھے کہ کچھ ہی ساعتوں بعد آسمان پر نیٹو فورسز کے لڑاکا طیارے نمودار ہوئے اور اس کے ساتھ ہی فضا آتش و آہن کی بارش میں نہا گئی، محافظ وطن نے اپنی بہترین عسکری تربیت اور جنگی اسرار ورموز کو کام میں لانے میں ذرا بھی دیر نہ کی اور پلک جھپکتے ہی اس کے کندھے پر رکھے ہتھیار سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے، دشمن فوج اور پاکستان کے اس فوجی دستے کے مابین گھمسان کا رن پڑ چکا تھا، دھرتی کا یہ بیٹا اپنی ہمت اور استطاعت سے بھی بڑھ کر دشمن فوج پر قہر بن کر ٹوٹ رہا تھا اور لہو منجمد کر دینے والی اس فضا میں اپنے مورچے سے باہر نکل کر اپنے سے کئی گناہ زیادہ طاقتور دشمن سے نبرد آزما ہو چکا تھا۔

اس شہید سپاہی کی یونٹ AK-7 کے ساتھیوں نے راقم کو بتایا کہ دھرتی کا یہ مجاہد ایساف اور نیٹو کے خلاف بڑی ہی بے جگری اور بلند ہمتی سے لڑا اور ہم پورے ایقان سے کہہ سکتے ہیں دشمن کی پیدل فوج نے اس کی جوابی کارروائی سے ناقابل تلافی نقصان اٹھایا ہوگا۔ دشمن کے پاؤں اس بہادر جوان اور اس کے ساتھیوں کی بروقت کارروائی سے اکھڑ چکے تھے مگر ناٹو اور ایساف کے فوجی اس شدید ردعمل کو دیکھ کر اور خطرے کو بھانپتے ہوئے واپس پلٹے اور اپنے لاؤلشکر کے ساتھ چند لمحوں بعد جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس ہو کر پھر اس چوکی پر حملہ آور ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پاکستانی فوجیوں کی اس چیک پوسٹ کو خاک وخون میں نہلا کر قبرستان میں تبدیل کر ڈالا، جب آگ اور بارود کی گرد چھٹی تو دنیا نے دیکھا کہ یہ بہادر سپاہی اپنے تیئس ساتھیوں سمیت جام شہادت نوش کر چکا تھا۔ وطنِ عزیز کے ان بہادر بیٹوں نے ڈٹ

کر دشمن کا مقابلہ کیا اور اسے شکست سے دوچار کر کے بالآخر شہید ہو گئے۔

یہ محافظ وطن تحصیل منکیرہ ضلع بھکر کا سپوت سپاہی مہربان شہید تھا جس نے 26اور27نومبر 2011ء کی درمیانی شب مہمند ایجنسی کی سلالہ چیک پوسٹ پر انتہائی کم جنگی وحربی وسائل کے باوجود اپنے جواں ہمت افسروں اور جوانوں کے ہمراہ ملک کے دفاع کی جنگ پوری پامردی، عزم اور ہمت سے لڑی اور اس کی خوبصورت جوانی اس تاریخی معرکہ میں کام آئی۔احسان دانش کے یہ اشعار ان جرأت مندوں کو سلام پیش کرتے ہیں ؎

جب کافروں پر جھپٹے ہو رَن میں
جاگے ہیں شعلے تن اور بدن میں
جبریل تم کو دیتا ہے شہپر
اللہ اکبر، اللہ اکبر

لوہا تمہارا سب مانتے ہیں
میدان تم کو پہچانتے ہیں
مسلک تمہارا تقلیدِ حیدرؓ
اللہ اکبر، اللہ اکبر

نغمے تمہارے شور سلاسل
لرزاں ہے تم سے تنظیمِ باطل
برتے ہیں تم نے خونی سمندر
اللہ اکبر، اللہ اکبر

◆......◆......◆

سپیشل سروسز گروپ کا ایک بلند حوصلہ جوان

کمانڈو نعیم عباس شہید

سچ کہتے ہیں کہ" طاقتور اور بہادر لوگ اپنی قوت کا استعمال گلاب اور چنبیلی کی ڈلیوں پر نہیں اپنے فولاد صفت حریفوں پر کرتے ہیں" کمانڈو نعیم عباس شہید نے بھی ایک سخت جان دشمن کے ساتھ لڑتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی اور ہمیشہ کی کامیابی اس کا مقدر بن گئی۔ نعیم عباس شہید ایک نڈر اور دلیر سپاہی تھے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں یہ نوجوان کمانڈو ایک بے باک اور دلیر محافظ بن کر دشمن کے سامنے آیا۔

جب 20 جنوری 1986ء کو اس نوجوان نے ضلع میانوالی کے علاقہ دندہ شاہ بلاول میں آنکھ کھولی تھی تو کسی کے وہم و گماں میں کہاں تھا کہ آج کا یہ پھول سا بچہ کل پاکستانی فوج کے قافلہ سخت جاں اور بلند حوصلہ سپیشل سروسز گروپ (SSG) کی صف میں جا کھڑا ہوگا اور اپنی "قسم پریڈ" کی لاج رکھ کر دھرتی کی حفاظت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنے خون میں نہا کر دندہ شاہ بلاول کے شہر خموشاں میں آسودہ خاک ہو جائے گا۔ کمانڈو نعیم عباس نے 2004ء میں گورنمنٹ ہائی سکول دندہ شاہ بلاول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور 27 جون 2005ء کو پاکستان آرمی کا حصہ بنے، انہوں نے ناردرن لائٹ انفنٹری (NLI) کے تربیتی سنٹر بونجی گلگت سے عسکری تربیت

حاصل کی۔

وہ جب سے پاکستانی فوج میں شامل ہوئے ان کی تمنا تھی کہ وہ سپیشل سروسز گروپ میں شامل ہوں اوران کے نام کے ساتھ ''کمانڈو'' لکھا جائے۔ پھران کی یہ دلی خواہش بارآور ثابت ہوئی اورمولائے کریم نے ان کی دعا کو اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نواز دیا۔ این ایل آئی میں آئے انہیں دو سال ہوئے تھے کہ عسکری قیادت نے ان کی پھرتی' چابکدستی اور بہادری کو دیکھتے ہوئے ایس ایس جی کے لیے منتخب کیا۔ شہید نعیم عباس نے کمانڈوٹریننگ کے سخت اورصبرآزمامراحل میں بھی استقامت اورحب الوطنی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا یہاں تک کہ ان کی تربیت مکمل ہوئی اورکمانڈوکا اعزاز ان کے حصے میں آیا۔ جب کمانڈوکا تمغہ ان کے سینے پر جچا تو اس جانثار سپاہی کی مسرت و شادمانی دیدنی تھی۔ وہ ایس ایس جی کی ٹوکمانڈو کمپنی کا حصہ کیا بنے کہ ان کا چہرہ خوشی' تمکنت اورمسرت سے کھل اٹھا تھا۔ انہوں نے بطورکمانڈو ہر مشکل اورکٹھن معرکہ سرکیا' ان کی یونٹ کے جوان ان سے بے انتہا محبت کرتے اور ان کی قیادت کو ہمیشہ ان پر ناز رہا تھا۔ وہ عرصہ دراز تک قبائلی علاقوں میں مختلف کارروائیوں میں حصہ لیتے رہے۔

یکم جولائی **2011**ء کوانہیں مہمند ایجنسی میں عسکریت پسندوں کے خلاف کارروائی کا حکم ملا اوروہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس انگاروادی میں اترے۔معرکہ گرم ہوا اوروہ دشمن سپاہ میں بری طرح سے گھر چکے تھے،اسی کارروائی کے دوران ان

کی جوانی دھرتی کے استحکام اور تحفظ کی خاطر کام آ گئی اور وہ شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔ ان کی نماز جنازہ دندہ شاہ بلاول میانوالی میں ادا کی گئی‘ فوجی مستعد دستے نے سلامی پیش کی اور اہالیان وطن نے اس بہادر صفت محافظ کو نہایت جوش اور ولولے کے ساتھ آسودہ خاک کیا۔

اے وطن تو نے پکارا تو لہو کھول اٹھا
تیرے بیٹے تیرے جانباز چلے آتے ہیں

◆......◆......◆

گیاری سیکٹر سیاچن میں جام شہادت نوش کرنے والے

سپاہی جعفر حسین شہید

سات اپریل 2012ء کو سیاچن کے گیاری سیکٹر میں لائٹ نادرن انفنٹری کے بٹالین ہیڈ کوارٹر پر دو کلومیٹر طویل اور 80 فٹ اونچا برفانی تودا آن گرا جس کے نتیجہ میں پاک فوج کے دو افسروں سمیت ایک سو پچیس نوجوانوں نے جام شہادت نوش کیا، یہ پاک فوج کی ایک ایسی قربانی تھی جسے تا دیر یاد رکھا جائے گا اور اہالیان وطن ہمیشہ این ایل آئی کے ان جری صفت جوانوں اور شیر دل افسروں پر فخر محسوس کرتے رہیں گے۔ بھکر کے نوجوان سپوت جعفر حسین نے بھی اس موقع پر اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی اور اس مملکت خداداد کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے شہادت کی موت پائی۔

سپاہی جعفر حسین 1989ء کو بھکر کے علاقہ ماہنی تھل میں مقامی زمیندار محمد صدیق کے ہاں پیدا ہوئے، ان کا تعلق علاقہ کی معروف کارلو قوم سے تھا۔ 2005ء میں جعفر حسین نے میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول ماہنی تھل سے اور 2007ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج جھنگ سے انٹر میڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ شہید سپاہی جعفر حسین نے 2008ء میں پاکستان آرمی میں بطور سگنل آپریٹر شمولیت اختیار کر کے اور کوہاٹ ٹریننگ سنٹر سے فوجی تربیت حاصل کی اور فوج کا حصہ بن کر شجاعت، دلیری

اور پامردی کے راستے کا انتخاب کیا۔شہید جعفر حسین نے مری ، راولپنڈی اور دیگر علاقوں میں خدمات انجام دیں، بعدازاں ان کی تعیناتی سیاچن گلیشیئر میں ہوئی۔

جس دن گیاری سیکٹر میں این ایل آئی کے جوانوں کے ساتھ اندوہناک حادثہ پیش آیا جعفر حسین ان کے ہاں بطور مہمان ٹھہرے ہوئے تھے کیونکہ ان کی منزل آگے ٹاپ پر علی برانتھا پر تھی لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور وہ این ایل آئی کی اس بہادر سپاہ کے ساتھ شہادت کے سفر پر گامزن ہوئے۔

شہید کے کزن محمد رمضان کارلو اور دیگر اہل خانہ نے بتایا کہ جعفر حسین جب سے فوج میں گئے ہمیشہ اپنی ڈیوٹی کو ہی ہر کام پر فوقیت اور ترجیح دی ، وہ ایک ایک منجھے ہوئے سپاہی تھے۔ وہ جہاں اور جس محفل میں بھی ہوتے اپنی ملازمت اور پاک فوج کے روشن کردار کو زیر بحث لاتے۔ چار سالہ سروس کے دوران اس نے ملک کے دفاع کی خاطر کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، اسے جس کٹھن ایریا میں بھی تعیناتی کا حکم دیا گیا اس نے خندہ جبینی سے اسے قبول کیا، افسروں کی جانب سے جو ڈیوٹی سونپی گئی اس نے بغیر کسی حیل وحجت اسے بطریق احسن انجام دیا اور ہمہ جہت فوجی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہی خصوصیات کی بدولت وہ ہمیشہ یونٹ کے افسروں اور جوانوں کے لیے فخر کا باعث رہا۔

مملکت خداداد پاکستان کے اس محافظ کا جسد خاکی پاک فوج کی مسلسل محنتوں اور ریسکیو آپریشنز کے نتیجہ میں مورخہ 6 جولائی **2012**ء کو ملا ، ان کی نماز جنازہ آبائی گاؤں ماہنی تھل میں ادا کی گئی جس میں شہریوں اور معززین علاقہ نے بھرپور جوش و جذبے کے ساتھ شرکت کی اور انہیں ڈیفنس سروسز گارڈ کے مستعد دستے کے گارڈ آف آنر کے ساتھ لحد میں اتارا گیا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سپاہی جعفر حسین جیسے

ہیروز قوم کے لیے ایک سرمایے کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب تک یہ دنیا باقی ہے قوم اپنے ان بہادر شہداء پر فخر کرتی رہے گی اور ان کی حسین یادوں کے نغمے اور زمزمے قیامت کی صبح تک گونجتے رہیں گے ؎

ہم اہل پاک محمدؐ کے ماننے والے
نگارِ حق و صداقت کو جاننے والے
رخ حوادث ایام موڑنے والے
بتانِ ہند کا پندار توڑنے والے
محافظانِ وطن کو سلام کہتے ہیں
وہ جن کا نام ہے سرنامہ عزم جرات کا
طلسم کثرت باطل جنہوں نے توڑ دیا
جو تیرگی سے لڑے آفتاب کی مانند
بلند ہیں جو فضا میں عقاب کی مانند
محافظانِ وطن کو سلام کہتے ہیں

◆……◆……◆

دل میں پیدا کیا اک جذبہ تازہ تو نے

کیپٹن اصغر بلوچ شہید (تمغہ بسالت)

کیپٹن اصغر بلوچ 31 اگست 1973ء کو بستی کوریہ' موجودہ نام (شہید اصغر آباد) کوٹلہ جام ضلع بھکر میں ایک بلوچ زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے والد کا نام جان محمد بلوچ تھا۔ اصغر بلوچ دو بھائیوں اور پانچ بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ پرائمری تک تعلیم قریبی بستی ہوتا نوالہ سے حاصل کی اور گورنمنٹ ہائی سکول بھکر شہر سے اے ون گریڈ میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بعدازاں ایف ایس سی کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ مورخہ 11 مئی 1993ء کو پاکستان آرمی میں کمیشن حاصل کیا اور پیشہ وارانہ تربیت کے لئے پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول ایبٹ آباد چلے گئے۔ عسکری ٹریننگ مکمل کی اور آزاد کشمیر رجمنٹ کا حصہ بنے۔ ان کی پہلی تعیناتی ژوب بلوچستان میں ہوئی جبکہ فروری 1998ء گوجرانوالہ میں کیپٹن کی حیثیت سے تعینات ہوئے۔

شہید اصغر بلوچ ایک نہایت شریف اور نیک سیرت انسان تھے، اسلام اور وطن سے محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ بچپن سے ہی انتہائی بہادر اور سخت جان تھے اور خطرناک کھیلوں میں حصہ لینا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ گولہ پھینکنے ، وزن اٹھانے ، رسہ کشی ، دریا میں تیراکی اور لانگ جمپ لگانے میں وہ علاقہ بھر میں

اپنی مثال آپ تھے۔

کیپٹن اصغر بلوچ شہید کا گھرانہ ایک خالصتاً فوجی گھرانہ تھا اور 1857ء کی جنگ آزادی میں ان کے بلوچ خاندان کے جنگجوؤں نے دلی کا رخ کیا اور انگریز کے خلاف نبرد آزما رہے، آپ کے دادا جندو خان بلوچ پہلی جنگ عظیم میں جب کہ والد جان محمد بلوچ (برما سٹار) دوسری جنگ عظیم میں شجاعت ، بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھلائے چکے تھے، چنانچہ اسی جنگی و فوجی ماحول کا کیپٹن اصغر بلوچ شہید پر بھی گہرا اثر پڑا اور انہوں نے ہوش سنبھالتے ہی پاک فوج جوائن کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

قوم کے اس دلیر فرزند کو مئی 1998ء میں دراس سیکٹر (کارگل) میں تعینات کیا گیا جہاں انہوں نے شجاعت اور بہادری کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔ کچھ عرصہ بعد وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر گھر آئے' ابھی گھر بمشکل پہنچے ہی تھے کہ فوری طور پر انہیں کارگل محاذِ جنگ جوان دنوں گرم ہو چکا تھا' پر بلا لیا گیا اور یوں وہ ایک ہفتے کی چھٹی ختم ہونے سے پہلے ہی تیسرے روز کارگل کی جانب عازم سفر ہو گئے ۔شہید کیپٹن کے بڑے بھائی اور اہل خانہ بتاتے ہیں کہ اصغر بلوچ کی چمکتی پیشانی سے لگ رہا تھا کہ اب ان کی دلی مراد پوری ہونے والی ہے اور ان کی دعا کی قبولیت کی گھڑی قریب ہے (یاد رہے کہ وہ ہمیشہ شہادت کا جام پینے کی دعا کرتے تھے) کارگل محاذ جنگ پر انہوں نے دشمن فوج کو سخت رسوائی اور مشکلات میں مبتلا کئے رکھا' ان کا حوصلہ دیگر ساتھیوں کے لئے بھی بلند ہمتی کا باعث بنا رہا۔

مورخہ 20 جولائی 1999ء کو دراس سیکٹر میں عاصم چیک پوسٹ پر دشمن کے حملے کے بعد پاک فوج اور ہندو فورسز میں ایک فیصلہ کن معرکہ شروع ہوا۔ عین اس وقت جب توپوں کے دہانے آگ اُگل رہے تھے اور چہار جانب سے دشمن فوج کے آرٹلری گروپ کی شدید شیلنگ جاری تھی' کیپٹن اصغر بلوچ بلا خوف وخطر دشمن کے مورچوں کی جانب بڑھتے چلے گئے۔ دشمن نے شیلنگ کا سلسلہ مزید تیز کر دیا' اسی دوران ایک شیل کیپٹن اصغر بلوچ کے قریب آ کر گرا جس سے ان کے سر کا بایاں حصہ شدید متاثر ہوا اور اس ضرب کاری کی تاب نہ لاتے ہوئے 27 سالہ کیپٹن اصغر بلوچ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور دھرتی پر قربان ہو گئے۔

کیپٹن اصغر بلوچ کی شہادت کے کچھ ہی روز بعد ان کے اہلخانہ کو ان کا شہادت سے پہلے پوسٹ کیا گیا خط موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ دن بدن جنگ تیز ہو رہی ہے اور کچھ پتہ نہیں زندگی کا' اگر میں وطن پر قربان ہو جاؤں تو میری جدائی کا زخم صبر ورضا کے ساتھ برداشت کیجئے گا۔

کیپٹن اصغر بلوچ شہید کے بڑے بھائی اللہ بخش ایڈووکیٹ نے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ ہمیں آج بھی اپنے اس بہادر بھائی کی قربانی پر فخر ہے۔ اس قدر دلیرانہ انداز سے دشمن کے خلاف لڑتے ہوئے وطن پر قربان ہونے والے اس نوجوان فوجی افسر کو ساتھی فوجی اہلکاروں اور علاقہ بھر کے سیاستدان اور سماجی راہنماؤں نے بھر پور انداز سے خراج تحسین پیش کیا۔ کیپٹن محمد عاطف، کیپٹن محمد انعام، کیپٹن عمیر، میجر لطیف کامران اور کیپٹن اصغر بلوچ کے دیگر ساتھیوں نے کہا کہ یہ خوبصورت انسان

ہمیں ہمیشہ یادرہے گا اور اس کی قربانی کو ہم کبھی بھی فراموش نہ کر پائیں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ کیپٹن اصغر شہید بہادر خیالات کے مالک تھے اور انہی صفات کی بدولت انہیں بے حد عزت اور احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

شہید کے والد جان محمد بلوچ جنہوں نے خود بھی دوسری جنگ عظیم میں حصہ لیا تھا' بیٹے کی شہادت کا سن کر انتہائی حوصلے اور صبر کا مظاہرہ کیا اور اہل خانہ کو بھی صبر اور حوصلے کی برابر تلقین کرتے رہے۔ حکومتِ پاکستان نے مورخہ 13 اکتوبر 1999ء کو ان کی بے مثال بہادری اور جرات کو سراہتے ہوئے انہیں تمغہ بسالت سے نوازا۔ ان کے والد بتارہے تھے کہ میری خواہش تھی کہ میرا یہ ہونہار بیٹا پاک فوج میں سب سے بڑے عہدے تک پہنچے' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ باری تعالیٰ نے انہیں شہادت کا مقام نصیب کر کے انہیں ایک لافانی مقام عطا کر دیا جو یقیناً ایک بہت بڑا عہدہ ہے' اس سے نہ صرف ہمارے بلکہ پوری قوم کے سر فخر سے بلند ہو گئے۔ شہید اصغر بلوچ ایک انتہائی ملنسار اور اچھی طبیعت کے مالک تھے۔ شہید کا تعلق پنجاب کے ایک انتہائی پسماندہ خطے سے تھا جسے ہم ''تھل'' کا علاقہ کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے انہیں پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول کے ساتھی ان کی محبت اور خوش اخلاقی کی وجہ سے ''صحرا کا پھول'' کہہ کر پکارتے۔

مورخہ 22 جولائی 1999ء کو شہید کا جسدِ خاکی ان کے آبائی علاقہ (شہید اصغر آباد) کوٹلہ جام ضلع بھکر لایا گیا' علاقہ کے ہزاروں لوگوں نے ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور انہیں پورے فوجی اعزاز کے ساتھ مقامی قبرستان میں سپرد خاک کیا

گیا۔ مسرور انور نے قوم کے ان بہادر فرزندوں کو سلام پیش کرتے ہوئے کہا تھا ۔

اپنی جاں نذر کروں اپنی وفا پیش کروں
قوم کے مردِ مجاہد تجھے کیا پیش کروں
دل میں پیدا کیا اک جذبہ تازہ تو نے
میرے گیتوں کو نیا حوصلہ بخشا تو نے
کیوں نہ تجھ کو انہی گیتوں کی نوا پیش کروں
قوم کے مردِ مجاہد تجھے کیا پیش کروں

◆......◆......◆

یہ اُٹھان غازیانہ، یہ اُڑان فاتحانہ

کیپٹن ظہور الحق شہید

شہیدِ وفا کیپٹن ظہور الحق صرف تیس برس کی عمر میں اس ملک اور قوم کی خاطر اپنی قیمتی کا جان کا نذرانہ پیش کر کے ہمیشہ کے لئے امر ہوئے۔ پاکستان آرمی کے یہ بہادر اور شجاع افسر 1980ء میں مردان کے ایک گاؤں لینڈے میں علاقہ کی معزز شخصیت فضل مالک کے ہاں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول مردان سے میٹرک اور اسلامیہ کالج پشاور سے ایف ایس سی کا امتحان پاس کیا اور دوران ملازمت بی ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ 2002ء میں فوج میں شمولیت اختیار کی اور پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول پہنچے۔ 2004ء میں سکینڈ لیفٹیننٹ، 2005 میں لیفٹیننٹ کے عہدے پر ترقی پائی اور 2007ء میں ان کی بے پناہ صلاحیتوں کی بنا پر انہیں کیپٹن کے عہدے پر ترقی دے دی گئی اور آپ کو اوکاڑہ میں بھیج دیا گیا۔ شمالی وزیرستان میں بھی آپ کی خدمات کو سنہری حروف میں یاد رکھا جائے گا۔ 2008ء میں کیپٹن ظہور الحق شہید کو آرمی ایوی ایشن کے لئے منتخب کیا گیا، گوجرانوالہ میں ایک سال پر محیط عسکری تربیت مکمل کی اور اپنے کورس P:50 میں Over All Best کی ٹرافی حاصل کرنے کا قابل فخر اعزاز حاصل کیا۔ آرمی ایوی ایشن سے پاس آؤٹ ہونے کے بعد کراچی اور پھر پشاور میں تعینات ہوئے۔

انہیں مورخہ 22 دسمبر 2010ء کو پانچ روزہ ہوائی مشن پر روانہ کیا گیا اور وہ اپنے

ایک جاں نثار ساتھی حوالدار مسعود کے ہمراہ جنگی جہاز کو کمال مہارت سے اڑاتے ہوئے پشاور سے کوئٹہ کی جانب عازم سفر ہوئے۔ کوئٹہ کے علاقہ مسلم باغ کے دشوار گزار پہاڑی سلسلے میں پہنچ کر طیارہ فنی خرابی کے باعث ہچکولے لینے لگا، اس جوانمرد اور دلیر پائلٹ نے اپنی پیشہ وارانہ صلاحیت کو استعمال میں لاتے ہوئے اپنے جہاز کو قریبی علاقہ میں اتارنے کی بھرپور کوشش کی جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے اور ان کا جہاز بلند و بالا پہاڑی سلسلے سے ٹکرا گیا جس کے نتیجہ میں کیپٹن ظہور الحق اپنے ساتھی حوالدار مسعود کے ہمراہ جام شہادت نوش کر گئے۔ 23 دسمبر 2010ء کی شام چار بجے آپ کی نماز جنازہ آبائی گاؤں میں ادا کی گئی جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی اور انہیں بھرپور طور پر خراج تحسین پیش کیا گیا۔ آرمی ایوی ایشن کے چاق و چوبند دستے نے کرنل محمد پرویز کی قیادت میں اس شہیدِ وطن کو گارڈ آف آنر پیش کیا اور انہیں اپنے گاؤں لینڈے ضلع مردان کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

شہید کے والدِ محترم فضل مالک اپنے بیٹے کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ظہور الحق بہت ہی فرمانبردار اور نیک بیٹا تھا۔ ان میں اسلام اور وطن سے محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ آخری بار 15 اکتوبر 2010ء کو گھر چھٹی پر آئے تو مجھ سے جی بھر کے باتیں کیں' ان کے لہجے سے بلا کی خود اعتمادی جھلکتی تھی۔ میں اپنے بیٹے کے ساتھ یہ آخری یادگار ملاقات کبھی بھی بھول نہ پاؤں گا۔ میرے اس جواں سال بیٹے نے بہر صورت اپنی دھرتی کی حفاظت کی خاطر کٹ مرنے کا عزم کر رکھا تھا جس میں اللہ نے اسے کامیاب کیا جو ہمارے پورے خاندان کے لئے اعزاز کی بات ہے۔

شہید کے چھوٹے بھائیوں محبوب الحق، انعام الحق کا کہنا تھا کہ ہمارے والدین اور تمام بہن بھائیوں کو ظہور الحق کی اس دلیرانہ شہادت پر فخر ہے' بلاشبہ ہمیں ان کے جانے کا

دکھ بہت زیادہ ہے لیکن وہ جس عظیم مقصد پر قربان ہوئے اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ شہید کیپٹن ظہور الحق نے پسماندگان میں والدین، دو بھائی، تین بہنیں، بیوہ اور ایک بیٹا محمد شہرام ظہور چھوڑا ہے۔ میجر ضمیر جعفری کے یہ اشعار کیپٹن ظہور الحق شہید جیسے پائلٹ کی بہادری کا نقشہ کھینچتے ہیں ؂

یہ اٹھان غازیانہ ، یہ اڑان فاتحانہ
ترے شہپروں کے نیچے ، یہ زمین فاتحانہ
تری برق بے محابا ، ترا سیل بے کنارا
اسی شان سے اڑے جا ز ستاراتا ستارا!
یہ فضا کی شہر یاری ، یہ خلا پہ حکمرانی !
تگ و تاز جاودانی ، تب و تاب غیر فانی
یہ عقاب اونچا اونچا ، یہ شباب پیارا پیارا
اسی شان سے اڑے جا ز ستاراتا ستارا!
یہ ہمارے دشت و میداں، یہ ہمارے شہر گاؤں
یہ زمین پاک جس پر ترے شہپروں کی چھاؤں
یہ جلال رزم پیما ، یہ جمال بزم آرا!
اسی شان سے اڑے جا ز ستاراتا ستارا!

◆......◆......◆

شکئی میں جان کا نذرانہ پیش کرنے والا شاہین صفت جوان

سپاہی محمد فیاض الحسن شہید

سپاہی محمد فیاض الحسن 1982ء میں ضلع بھکر کی نواحی بستی سارنگ چھینہ میں ایک زمیندار گھرانے کے فرد حافظ محمد نواز کے ہاں پیدا ہوئے، میٹرک تک تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول چھینہ سے حاصل کی۔ محمد فیاض الحسن نے ہوش سنبھالتے ہی بہادری اور شجاعت کا راستہ اختیار کیا، بچپن سے ہی اس میں دلیری کا عنصر نمایاں تھا، یہی وجہ تھی کہ اپنے شوق کی تکمیل کی خاطر انہوں نے پاک فوج کا انتخاب کیا اور 2003ء میں پاکستان آرمی جوائن کی اور ناردرن لائٹ انفینٹری (این ایل آئی) کا حصہ بنے، بونجی ٹریننگ سنٹر گلگت میں عسکری تربیت کے مدارج کامیابی سے طے کئے۔ فوجی ٹریننگ کے بعد سپاہی فیاض الحسن کو لاہور، سیالکوٹ کے علاقوں میں تعینات کیا گیا۔ ان کا شمار این ایل آئی کے بہترین جوانوں میں ہوتا تھا۔ فیاض الحسن نے اپنا فوجی کام بہت ہی محنت اور لگن سے کیا۔ مورخہ 6 جون 2006ء کو انہیں سیاچن گلیشیئر بھیجا گیا جہاں انہوں نے استقامت اور دلیری کے ساتھ دو سال تک ڈیوٹی کے فرائض انجام دیئے۔

دوران سروس یونٹ میں اپنا نام، عزت اور مقام بنایا، فیاض الحسن کو تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا، سخت ترین فوجی زندگی کے باوجود بھی اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا

اور دوران سروس ایف اے کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا، اور بی اے کی تیاری شروع کی ہی تھی کہ انہیں بہترین فوجی کارکردگی کی بنیاد پر مورخہ 20 اکتوبر 2010ء کو شکئی جنوبی وزیرستان آپریشن کے لئے منتخب کیا گیا۔ وزیرستان روانگی سے قبل فیاض الحسن دس یوم کی رخصت پر گھر آئے اور دوست احباب نے ان کا جذبہ حب الوطنی توقع سے بڑھ کر پایا۔ سپاہی فیاض الحسن کہتے کہ وطن کے لئے جان بھی قربان کرنا پڑی تو قطعاً دریغ نہیں کروں گا۔ بالآخر سپاہی فیاض الحسن شہید اپنے بلند مقصد یعنی دہشت گردوں کی سرکوبی کی خاطر شکئی پہنچے۔ شہید کے اہل خانہ اور اس کے دوست احباب نے بتایا کہ انہوں نے اپنی رخصتی کے وقت ہر ایک سے بس یہی کہا کہ دعا کریں اللہ مجھے قدم قدم پر کامیابی وکامرانی سے نوازیں۔

شہید کے بھائی محمد الیاس حسین نے بتایا کہ شہادت سے صرف ایک روز قبل میری بھائی فیاض الحسن شہید سے فون پر بات ہوئی' میں نے ان کے لب و لہجے میں بلا کی خوداعتمادی واضح طور پر محسوس کی۔ شکئی تعیناتی کے بعد سپاہی فیاض الحسن نے شرپسندوں کے خلاف بہت سی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ ان کے ساتھی اور آفیسرز بتاتے ہیں کہ وہ ہمیشہ جی توڑ کر لڑے اور جرأت و بہادری کی تاریخ رقم کرتا رہے۔ مورخہ 18 دسمبر 2010ء کوعلی الصبح چار بجے سپاہی محمد فیاض الحسن ڈیوٹی پر مامور تھے کہ دہشت گردوں نے ان کے کیمپ پر حملہ بول دیا۔

اس موقع پر سپاہی فیاض الحسن نے انتہائی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے عزائم کو ناکام بنانے کی خاطر ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ فیاض الحسن کا جذبہ ان کے ساتھیوں کے لئے بھی تقویت کا باعث بنا رہا۔ یہ فائٹ تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہی

جس میں کئی شدت پسند مارے گئے' سپاہی فیاض الحسن اس اہم معرکہ میں دہشت گردوں کے آگے ڈٹ گئے اور دشمن کی جانب سے آنے والی گولیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے فرض منصبی کا حق ادا کر دیا۔ اسی معرکہ میں ایک گولی ان کے سینے میں پیوست ہوگئی اور وہ موقع پر ہی شہادت سے سرفراز ہوئے۔

فیاض الحسن کے قریبی دوست اور این ایل آئی کے جوان سپاہی محمد صفدر نے بتایا کہ جب ہم شہادت کے بعد ان کے پاس پہنچے تو ان کی گن کی تمام میگزینز خالی ہو چکی تھیں، یعنی انہوں نے آخری گولی تک دشمن کا مقابلہ کیا تھا۔ سرزمینِ وطن کے اس بہادر سپوت کا جسدِ خاکی مورخہ 19 دسمبر کو آبائی گاؤں سارنگ قصبہ چھینہ ضلع بھکر لایا گیا۔ نمازِ جنازہ میں عوام نے کثیر تعداد میں شرکت کی' ڈیفنس سروسز گارڈ نے اس بہادر سپوت کو سلامی پیش کی اور اسے مقامی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

◆......◆......◆

جب تک نہ جلیں دیپ شہیدوں کے لہو سے

سپاہی مرید حسین اعوان شہید

دنیا کے بلند اور سرد ترین محاذِ جنگ کو سیاچن کے نام سے جانا جاتا ہے' یہاں 1984ء سے پاک فوج وطن عزیز کے دفاع کی خاطر بھارتی فورسز کے سامنے سینہ سپر ہے۔ ہزاروں فٹ کی بلندی پر اس برف زار میں جہاں سانس لینا بھی محال ہے، جسم سیاہ پڑ جاتا ہے جیسا کہ جلا دیا گیا ہو، ہاتھ پاؤں جھڑنے لگتے ہیں، طرح طرح کی بیماریاں آن گھیرتی ہیں، ایک طرف دشمن توپوں کے دہانے کھلے ہیں تو دوسری جانب خطرناک موسمی دشمنی کا الاؤ ہے، چپے چپے پر خطرات لاحق ہیں' ذرا تصور کیجئے کہ ہمارے سرحدی محافظ اور نگہبان ایسے خطرناک محاذ پر ایک طویل عرصے سے دشمن سے برسر پیکار ہیں اور ان کا عزم ہے کہ بھارتی فورسز اور پھر سیاچن جیسے پر خطر علاقے کی دشمنی مول لے کر بھی مادرِ وطن پر کوئی آنچ نہ آنے دیں گے۔ حقیقت ہے کہ یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جو صرف دھرتی پر مر مٹنے کا جذبہ جنوں رکھتے ہوں کیونکہ محض نوکری /ڈیوٹی اور معاوضے کی خاطر کوئی بھی عقل وخرد کا حامل انسان اپنی حسین جوانی اور خوبصورت زندگی کو یوں تیاگ نہیں سکتا۔

سپاہی مرید حسین کا تعلق بھی بہادروں' جانثاروں اور جرات مندوں کی اسی قبیل

سے تھا۔ جس وقت مرید حسین کو سیاچن جانے کا حکم ملا تو وہ بلا تامل آگے بڑھا اور اپنی جوانی کو لہو رنگ کر کے دھرتی سے محبت کا قرض چکا ڈالا اور اس کا سرخ لہو یقیناً وطن عزیز کے استحکام میں کام آ گیا۔ کسی نے سچ ہی کہا تھا کہ شہید کا خون کبھی رائیگاں نہیں جاتا، یہ مٹی میں جذب نہیں ہوتا بلکہ اس کا لہو قوم کے روح و بدن میں داخل ہو جاتا ہے اور اسے حیاتِ جاوداں عطاء کر دیتا ہے، اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ شہید کی موت میں پوری ملت کی بقاء کا راز مضمر ہے ''شہید کی جو موت ہے، وہ قوم کی حیات ہے''۔

شہید سپاہی مرید حسین کے والدِ گرامی ملک شیر محمد اعوان یادوں کو کریدتے ہوئے بتا رہے تھے کہ ''مرید حسین اپنے ملک' دھرتی اور وطن کے استحکام کی خاطر جان لٹا دینے کو سعادت سمجھتا تھا۔ وہ جب بھی چھٹی آتا اسی خواہش کا بے پناہ اظہار کرتا اور شہادت کا متمنی نظر آتا۔ پھر ایک دن میں نے یونہی کہہ دیا کہ میرے بیٹے ابھی تو تم جوان ہو اور والدین نے تمہاری اس ہنستی مسکراتی زندگی سے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں، اتنی جلدی شہادت کی خواہش کا اظہار نہ کیا کرو۔ وہ نہایت آبدیدہ ہو کر بولا ابو! ہم سرحدی پہریداروں اور محافظوں کے جنازے ہمیشہ جوانی میں ہی اٹھا کرتے ہیں کیونکہ ملکی سلامتی' بقاء اور اس سرزمین کے امر ہونے کا راز ہمارے لہو میں ہی مضمر ہے۔

جو فرض اسے سونپا گیا وہ اس سے کبھی غافل نہیں ہوا تھا' میرا شہید بیٹا اس قدر منکسر المزاج اور فرمانبردار تھا جس کا میں الفاظ کا سہارا لے کر اظہار نہیں کر سکتا''۔ وہ اپنے بہادر بیٹے کی یادیں تازہ کر رہے تھے اور ہم ان کے بیٹے کی جرأت مندانہ شہادت اور پھر اس بوڑھے والد کی استقامت پر حیران و ششدر تھے کہ جو اپنے بڑھاپے کے سہارے کو دھرتی پر لٹا کر بھی شاداں و فرحاں تھے اور کہہ رہے تھے کہ ''

جب لوگ مجھے شہید کا باپ کہہ کر پکارتے ہیں تو میں اپنی قسمت پر ناز کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ نے میرے حصے میں ایسی خوش بختی لکھ دی جس پر اس کا جتنا بھی شکر ادا کروں' ناز کروں کم ہے''۔ مرید حسین کے بھائیوں محمد لطیف اور ملازم حسین کے خیالات بھی اپنے والدِ گرامی سے کچھ مختلف نہیں اور وہ اپنے بہادر بھائی کی شہادت کو اپنے لئے، خاندان کے لئے ایک اعزاز قرار دیتے ہیں۔ مرید حسین پنجاب کے ضلع بھکر سے تعلق رکھتے تھے' انہوں نے ابھی عمرِ عزیز کی 33 بہاریں ہی دیکھی تھیں۔

انہوں نے 1970ء میں ملک شیر محمد اعوان کے آنگن میں آنکھ کھولی' ان کا تعلق ''اعوان'' قبیلے سے تھا۔ مرید حسین ایک خوبصورت نوجوان تھا اور بہادری و جواں ہمتی اس کے رگ و پے میں بسی ہوئی تھی ۔ مرید حسین نے میٹرک تک تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول بھکر شہر سے حاصل کی اور 1991ء میں فرنٹیئر فورس رجمنٹ کے تربیتی کیمپ ایبٹ آباد میں عسکری تربیت حاصل کی' بعدازاں وہ 6FF یونٹ کی ''نشان حیدر'' بٹالین کا حصہ بنے۔ وہ جرأت مندانہ پن اور بہادری میں اپنی مثال آپ تھے۔ وطن عزیز کے مختلف حصوں میں خدمات انجام دیتے رہے اور آخر کار سیاچن کی جانب مصمم ارادے اور عزم راسخ کے تحت عازم سفر ہوئے۔

سیاچن محاذ پر تعیناتی کے دوران ان کی مضبوط قوتِ ارادی' صبر و استقامت اور بلند عزائم کا اقرار تمام احباب اور ان کے فوجی ساتھیوں نے کیا۔ 6FF کا ہر افسر اور جوان مرید حسین کے جذبہ' خلوص اور پامردی کی دل و جان سے قدر کرتا تھا۔ وہ شہادت سے چند ماہ پیشتر ہی سیاچن محاذ پر تعینات ہوئے ۔ یہ مورخہ 19 دسمبر 2003ء اور بروز جمعۃ المبارک کا مبارک دن تھا جب وہ علی الصبح اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ ایک چیک پوسٹ سے دوسری پر جانے کے لیے روانہ

ہوئے کہ اپنے مستقر سے کچھ ہی فاصلے پر اپنے جانثاروں کے ہمراہ برف کے تودے تلے آ گئے' قریبی چیک پوسٹوں سے فوری طور پر کمک آنے اور امدادی ٹیموں کے بروقت پہنچنے کے باوجود انہیں زندہ نہیں بچایا جا سکا اور جانثاروں کی یہ جماعت شہادت کے سفر پر روانہ ہوئی' کئی ماہ تک ان کے جسدِ خاکی کو سیاچن کے اس برف زار سے نہ نکالا جا سکا اور آرمی ٹیموں کی مسلسل کوششوں سے تقریباً چھ ماہ بعد مورخہ 2 جون 2004ء کو ان کا جسد خاکی ملا۔

مرید حسین کی نماز جنازہ 3 جون 2004ء کی شام بھکر شہر منڈی ٹاؤن میں ادا کی گئی جس میں شہر کی سیاسی، سماجی، مذہبی شخصیات اور ہر طبقہ فکر سے تعلق رکھنے والوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی' ڈیرہ اسماعیل خان سے آنے والی پیراملٹری فورس (ڈی ایس جی) کے مستعد جوانوں نے مرید حسین کی قربانی اور جانثاری کی ادا کو سراہتے ہوئے ان کے جسدِ خاکی کو سلامی دی اور انہیں ملز قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا' ان کی آخری آرام گاہ پر مرقوم یہ شعر آج بھی ہر گزرنے والے کو ان کی یاد دلاتا ہے اور بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

جب تک نہ جلیں دیپ شہیدوں کے لہو سے
کہتے ہیں کہ جنت میں چراغاں نہیں ہوتا

◆......◆......◆

ایف سی سنٹر شبقدر میں جام شہادت نوش کرنے والا محافظ

سپاہی حافظ سعید رحمٰن

ہمارے دھرتی کے غیور پختون بھائی سخت جان، جفاکش اور جنگجو ہیں جنہوں نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ناقابل فراموش قربانیاں دیں اور اپنے خون سے امن کے چراغ روشن کیئے۔ سپاہی حافظ سعید رحمٰن کا تعلق بھی اسی بہادر قوم سے تھا۔ آپ ایک نڈر اور دلیر محافظ تھے۔

سپاہی حافظ سعید رحمٰن کرک کے ایک گاؤں لتمبر میں 1991ء میں پیدا ہوئے' 2008ء میں گورنمنٹ ہائی سکول لتمبر سے میٹرک اور 2010ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج کرک سے انٹر میڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ سپاہی سعید رحمٰن نے عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور اسی دوران قرآن پاک جیسی عظیم کتابِ الٰہی کو اپنے سینے میں محفوظ کیا۔ فرنٹیئر کانسٹیبلری میں ملازمت آپ کی خواہش بھی تھی اور اسی خواہش کی تکمیل کے لئے آپ ایف سی ٹریننگ سنٹر شبقدر ضلع چارسدہ میں پہنچے اور پیرا ملٹری فورسز کے اس مایہ ناز ونگ کا حصہ بن گئے۔

مورخہ 22 اکتوبر 2010ء کو انہوں نے عسکری تربیت کا آغاز کیا، دوران تربیت انہوں نے مختلف سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، محفل حسن وقرات اور تقریری

مقابلوں میں بڑے شوق اور جذبے کے ساتھ پیش پیش رہتے۔ وہ کرکٹ کے بہترین کھلاڑی بھی تھے اور اس حوالے سے بھی ایف سی سنٹر میں ان کی ایک شناخت تھی۔ سعید رحمٰن شہید کے اہل خانہ اور دوست احباب ان کی جرات کو دیکھتے ہوئے یہ خیال کرتے تھے کہ جب بھی کبھی دھرتی پر کڑا وقت آیا اور دشمن کے ناپاک قدم اس جانب بڑھے تو حافظ سعید رحمٰن یقیناً پوری استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کی راہ میں حائل رہے گا اور اس کے ناپاک قدموں کو اپنی دھرتی کی جانب کبھی نہیں بڑھنے دے گا قوم کے اس محافظ فرزند کا جذبہ قابل دید تھا اور اس نے آخر دم تک وطن عزیز کی حفاظت کرنے کا عزم صمیم کیے رکھا۔ اس پختہ یقین ہی کی وجہ سے اس نے پھولوں کی سیج کو ٹھکرا کر اس پر خطر زندگی کا انتخاب کر ڈالا اور ایک ایسے وقت میں ایف سی کا انتخاب کیا جب پورا ملک اور بالخصوص خیبر پختونخواہ دہشت گردی کی لعنت میں بری طرح سے جکڑا ہوا تھا۔

اس خوبصورت نوجوان نے ابھی زندگی کی صرف بیس بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ اسے اپنے جوان اور گرم لہو سے سے اپنی سرزمین کا قرض چکانا پڑا۔ مورخہ 13 مئی 2011ء بروز جمعۃ المبارک، علی الصبح سپاہی سعید رحمٰن شاداں وفرحاں تھا کہ اس نے سات ماہ کی عسکری تربیت نہایت کامیابی وکامرانی سے مکمل کر لی ہے اور آج اس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ بھی ہونی ہے۔ پاسنگ آؤٹ پریڈ کے بعد حافظ سعید رحمٰن اور اس کے دیگر ساتھیوں کو چھٹی دے دی گئی' اس کا رُواں رُواں خوشی سے جھوم اٹھا تھا کہ آج وہ گھر والوں کو اپنی کامیابی کی نوید سنائے گا لیکن...... مشیتِ ایزدی کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔ سپاہی حافظ سعید رحمٰن اپنے لاتعداد دیگر ساتھیوں کے ہمراہ جونہی شبقدر

ٹریننگ سنٹر کے مرکزی گیٹ سے باہر نکلا پہلے سے تاک میں بیٹھے ایک خودکش حملہ آور دہشت گرد نے ان پر حملہ کر دیا۔ ایک زوردھماکہ ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے کئی فوجی جوان جام شہادت نوش کر گئے۔ اس اندوہناک سانحہ میں تقریباً 108 نوجوان شہید ہوئے جن میں سپاہی حافظ سعید رحمٰن بھی شامل تھا۔

بے شک حافظ سعید رحمٰن نے کم عمری میں ہی اپنی جان مادرِ وطن پر نچھاور کر کے ملت سے کیا گیا وعدہ ایفا کر دیا تھا۔ اس نوجوان محافظ وطن کا جسدِ خاکی اپنے آبائی گاؤں لایا گیا' ان کی نمازِ جنازہ میں لاتعداد لوگوں نے شرکت کی اور ایف سی کے مستعد دستے کی سلامی کے ساتھ سپاہی حافظ سعید رحمٰن شہید کو گاؤں لتمبر میں سپردِ خاک کیا گیا۔

◆......◆......◆

فرنٹیئر کانسٹیبلری کا ایک جانثار

سپاہی محمد ریاض شہید

میری دھرتی کے محافظ نوجوانوں کے حوصلے اس قدر بلند ہیں کہ وہ اپنی جوانیوں کو اپنے سرخ لہو سے تر بہ تر کر کے دھرتی ماں کی حفاظت کرنے کا ہنر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ یہ خوبصورت، کڑیل اور جوشیلے جوان ہماری عظمتوں کے نشان ہیں۔ یہ دشمن کے خلاف اس طرح ڈٹ کر لڑتے ہیں اور اس دبدبے کے ساتھ میدان کارزار میں اترتے ہیں کہ قلم بے اختیار انہیں داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ دوسروں کی خاطر اپنی زندگی اور پھر جوانی جیسی قیمتی شئے کا نذرانہ پیش کر دینا کوئی معمولی بات نہیں اور ایسا محض تنخواہ اور نوکری کے لالچ میں قطعاً نہیں کیا جا سکتا۔

وطن عزیز کے طول و عرض میں شہروں، دیہات اور دور دراز پہاڑی علاقوں، صحراؤں اور گلی محلوں میں ایسے سرفروشوں کی داستانیں بکھری پڑی ہیں۔ آج ہم ایک ایسے ہی جانثار کو خراج تحسین پیش کرنے سرزمین عیسیٰ خیل ضلع میانوالی پہنچے ہیں۔ عیسیٰ خیل کے سپاہی ریاض شہید نے بھی اپنے پیش رووں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس وطن کی خاطر اپنی جان قربان کر دی۔

یہ دلیر فرزند تحصیل عیسیٰ خیل کے دور افتادہ گاؤں قمر آباد شریف میں 1979ء کو

ایک کاشتکار فیض محمد کے ہاں پیدا ہوا۔ فیض محمد نے اپنے اس سب سے بڑے بیٹے کو بڑے صبر آزما مراحل سے گزار کر تعلیم جیسے زیور آراستہ کیا اور اپنے انتہائی محدود وسائل کے باوجود ریاض شہید کو میٹرک سائنس اور بعدازاں ایف ایس سی تک تعلیم دلوائی۔ 1997ء میں محمد ریاض نے فرنٹیئر کانسٹیبلری میں شمولیت اختیار کی اور دس سال تک خدمات انجام دیں اور 23 جولائی 2007ء کو عنایت قلعہ باجوڑ ایجنسی میں دہشت گردوں کے ساتھ ایک جھڑپ میں اپنے ایک ساتھی سمیت جام شہادت نوش کیا۔

محمد ریاض کے والد فیض محمد نے اپنے جوان بیٹے سے وابستہ حسین یادوں کو تازہ کرتے ہوئے بتایا کہ میں سال 1979ء کا وہ دن کیسے بھلا سکتا ہوں جب میرے آنگن میں محمد ریاض نے جنم لیا۔ اس دن میں اس قدر خوش ہوا جو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ محمد ریاض جیسے بیٹے بھلا روز روز کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ میرا نہایت ہی تابع فرمان اور اطاعت گزار بیٹا تھا۔ وہ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتا اور والدین، بہن بھائیوں کی خدمت بجالاتا۔

بے شک اس کے اسی اچھے کردار کی بدولت ہی باری تعالیٰ نے اسے شہادت عطا کی۔ مورخہ 23 جولائی 2007ء کی صبح جب مجھے بیٹے کی شہادت کی خبر ملی تو جہاں مجھے اس وقت بیٹے کی جدائی کا غم تھا وہیں اس بات پر بھی میں نے خدا کا لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے ہم جیسے تہی داماں لوگوں کی جھولی شہادت جیسی عظیم دولت سے بھر دی۔

شہید کی والدہ بتا رہی تھیں کہ میرا بیٹا ہر روز نمازِ فجر کے بعد مجھے فون کرتا اور مجھ سے ڈھیروں باتیں کرتا۔ میں ریاض کو بچپن میں اپنے آنگن میں کھیلتا، کودتا دیکھ کر بہت ہی خوش ہوتی۔ میں نے تو اسے بڑے ہی مان اور چاؤ سے پالا پوسا تھا اور میں

نے اس سے بہت سی امیدیں، ڈھیروں خواہشات وابستہ کر رکھی تھیں۔ مگر اب میں سوچتی ہوں کہ میں نے تو یہ بیٹا اپنے لئے نہیں بلکہ ملک اور قوم کے جنا تھا۔ میرے ریاض جیسے بہادر بیٹے تو شاید ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں۔ ایک بوڑھی ماں اپنے شہید بیٹے کی یادیں تازہ کر رہی تھی اور ہماری آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ وہ کہنے لگیں ریاض ہر روز صبح مجھے فون کرتا' جب 23 جولائی کی صبح فون کی گھنٹی بجی تو میں سمجھی شاید ریاض کا فون ہے مگر یہ فون کال کسی اور کی تھی اور ہمیں بتایا گیا کہ آپ کا بیٹا شہید ہو چکا ہے۔

شہید کی والدہ کہنے لگیں: جب سبز ہلالی پرچم میں لپٹی میرے نوجوان بیٹے کی میت گھر پہنچی تو میں نے اسی وقت گارڈ آف آنر پیش کرنے والے فوجی جوانوں کو اپنے دوسرے بیٹے محمد اعجاز کا ہاتھ تھما دیا اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ جہاں میرا بیٹا ریاض ڈیوٹی پر کھڑا تھا اسی جگہ محمد اعجاز کھڑا ہو۔ اور آج میں فخر سے کہتی ہوں کہ واقعی میرا یہ بیٹا اپنے شہید بھائی کی چھوڑی جگہ پر اسی طرح سے مستعد اور چاک و چوبند کھڑا ڈیوٹی دے رہا ہے۔ شہید کے قریبی دوست عمران خان نیازی (ایم ای ایس کامرہ) اور دوست احباب کہتے ہیں کہ اپنی مٹی سے محبت محمد ریاض کے رگ و پے میں بسی تھی۔ عاجزی وانکساری اس کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ اس کی چاہتوں اور محبتوں کو ہم کبھی بھلا نہ پائیں گے۔ محمد ریاض شہید کے دوسرے بھائی محمد نیاز بھی پاک فوج میں فرائض انجام دے رہے ہیں۔ سپاہی ریاض شہید نے جس طرح ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اس پر قوم کو ہمیشہ ناز رہے گا۔

◆......◆......◆

سندھ رجمنٹ کے مایہ ناز سپاہی اور باکسر

نائیک غلام علی شہید

وطن عزیز پاکستان کی سلامتی، بقاء اور استحکام کی خاطر دھرتی کے بیٹے جانوں پر جانیں نچھاور کر رہے ہیں اور اپنی خوبصورت جوانیوں کو لہو رنگ کر کے اس مملکتِ خداداد کے تحفظ کا عظیم تر فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ان جوانوں کی یہ قربانیاں ایک دن ضرور باور آور ثابت ہوں گی اور دھرتی پر امن اور سلامتی کا پرچم ایک بار پھر چہار سو لہرائے گا۔ (انشاءاللہ)

سرگودھا کے بہادر جوان نائیک غلام علی شہید بھی اس سرزمین اور اس مٹی کے دفاع کی خاطر اپنی جوانی لٹا کر افواج پاکستان کے قافلہ شہداء سے جا ملے۔ نائیک غلام علی شہید 1977ء میں تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا کے ایک گاؤں دیووال میں منظور علی کے ہاں پیدا ہوئے۔ غلام علی ایک زمیندار اور محب وطن گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن اسی دیہاتی مگر پرخلوص ماحول میں گزرا اور اسی ماحول میں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ آپ ایک خوبصورت اور کڑیل جوان تھے جنہیں دیکھ کر دنیا رشک کرتی، ان کی طبیعت میں انتہا درجہ انکساری تھی اور ان کی دلی تمنا تھی کہ محافظ دستے میں شامل ہو کر ملک کی سرحدوں کی حفاظت کریں۔ غلام علی نے 1993ء میں میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول بھلوال سے اچھے نمبروں سے پاس کیا اور

پھر 1996ء میں پاکستان آرمی میں بھرتی کی خواہش دل میں بسائے حیدرآباد سندھ کی جانب رختِ سفر باندھا۔

ان کے اہل خانہ بتاتے ہیں کہ غلام علی کی خوشی اس وقت دیدنی تھی جب انہیں سندھ رجمنٹل سنٹر حیدرآباد کی جانب سے فوج میں شمولیت کا کال لیٹر موصول ہوا تھا۔ یوں وہ خوشی خوشی گھر سے روانہ ہوئے اور سندھ رجمنٹ کا حصہ بن گئے۔ عسکری اسرارو رموز میں مہارت کے ساتھ ساتھ آپ یونٹ کے ایک بہترین اور مایہ ناز باکسر بھی تھے۔ کبڈی اور کشتی میں آپ خوب کمال رکھتے تھے۔ انہیں اہل علاقہ ایک زندہ دل اور مثالی انسان کے طور پر آج بھی یاد کرتے ہیں۔ نائیک غلام علی کے کزن محمد اسحاق اور دوست محمد منیر رانجھا (ایم ای ایس، کامرہ) نے بتایا کہ نائیک غلام علی جب بھی چھٹی پر گھر آتے تو ہر ایک کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے، یہی وجہ ہے کہ اس گاؤں کا ہر پیرو جواں آپ سے از محبت کرتا اور ہر دل میں ان کی قدرو منزلت پائی جاتی۔ نائیک غلام علی نے اپنی سولہ سالہ فوجی زندگی میں ملک کے مختلف علاقوں میں قومی اور ملی فرائض انجام دیئے۔

نومبر 2011ء میں ان کی یونٹ کو ضلع کوہاٹ کے علاقہ ٹل کی جانب بڑھنے کا حکم ملا۔ نائیک غلام علی بھی اسی قافلہ کے ہمراہ ٹل کی انگار وادی میں جا پہنچے، یہ وادی ان دنوں شر پسندوں اور دہشت گردوں کا مسکن بنی ہوئی تھی اور اس علاقہ میں پاک فوج اور شر پسندوں کے مابین ایک عرصہ سے لڑائی جاری تھی۔ اس محاذ پر آپ نے اپنے فرائض منصبی کے بجالانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ محاذ جنگ سے ایک مرتبہ آپ گھر چھٹی پر آئے تو اہل علاقہ نے آپ کا مورال اپنی سوچ سے بھی بڑھ کر بلند پایا۔ نائیک غلام علی شہید کا یقین تھا کہ جو رات قبر میں آنی ہے وہ وہ کسی بھی طور باہر

نہیں آسکتی اور اللہ رب العزت نے حیات کی جس قدر ساعتیں لکھ دی ہیں ان میں کمی بیشی ممکن نہیں۔

وہ 3 اور 4 جنوری 2012ء کی ایک درمیانی شب تھی جب نائیک غلام علی پر ڈیوٹی پر مامور تھے کہ دشمن نے ان کے کیمپ پر حملہ کر دیا۔ نائیک غلام علی کمال استقامت، جرات، پامردی اور بہادری کا مظاہرہ کرتے دشمن کی راہ میں حائل رہے۔ آپ متواتر ساتھیوں کی ہمت بندھاتے رہے اور ان کے حوصلے پست نہ ہونے دیئے' اسی معرکہ میں آپ شدید زخمی ہوئے۔ ان کے جسم پر مہلک ہتھیار کی پانچ گولیاں لگیں اور چند ہی ساعتوں بعد نائیک غلام علی نے اپنے فوجی ساتھیوں کے ہاتھوں میں دم توڑ کر جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ شہید نائیک غلام علی کے جسدِ خاکی کو آبائی علاقہ میں لایا گیا اور مورخہ 5 جنوری 2012ء کو اس شہیدِ وطن کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور انہیں فوجی اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔ نائیک غلام علی شہید نے پسماندگان میں والدین، چار بھائی، بیوہ اور دو معصوم بچے عمیر علی اور جواد علی چھوڑے ہیں۔ دعا ہے کہ جلد اس سرزمین پاک کو ان شہداء کے سرخ لہو کی برکت سے استحکام، امن اور سلامتی نصیب ہو اور ان جوانوں کے بلند عزائم اور جذبہ حب الوطنی اور قربانیوں کی بدولت دشمن کبھی بھی اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل نہ کر پائے۔ آمین

◆......◆......◆

پاک فوج کے بہترین اسلحہ انسٹرکٹر، بلوچ رجمنٹ کے فرزند

صوبیدار ممتاز حسین شہید

صوبیدار ممتاز حسین ایک خوبصورت اور وجیہہ بہادر محافظ وطن تھے۔ ان کا تعلق پنجاب کے شہر بھکر سے تھا۔ آپ نہایت پامردی اور استقامت کے ساتھ دشمن کی راہ میں حائل ہوئے اور کسی چٹان کی صورت اس کا راستہ روک کر اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ اپنی محنت اور ذہانت کے بل بوتے پر بہت جلد ترقی کی اور ان کا شمار پاک فوج کے بہترین جوانوں میں ہونے لگا۔ ممتاز حسین نے فوجی تربیت حاصل کرنے میں بڑی جدوجہد کی۔ آپ ایک وفادار اور فرماں بردار سپاہی تھے۔

بھکر شہر سے تقریباً آٹھ کلومیٹر دور خانسر روڈ پر ایک بستی میاں پنجہ نام کی ہے، اپنی خوبصورت جوانی کی قربانی دے کر دھرتی ماں کی حفاظت کا قرض اتارنے والے ہونہار سپوت صوبیدار ممتاز حسین شہید کا تعلق اسی خطے سے تھا۔ شہید صوبیدار ممتاز حسین ایک مقامی زمیندار چوہدری رحمت علی کے آنگن میں 1973ء کو پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول بھکر شہر سے پاس کرنے کے فوری بعد پاک فوج میں شامل ہوئے اور بلوچ رجمنٹ کا حصہ بن گئے۔ شہید کے بھائی حافظ گلزار عثمانی ان سے وابستہ یادوں کو تازہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ گو آپ نے مشکل اور کٹھن ترین فوجی زندگی کا چناؤ کیا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ کو تعلیم کے حصول اور کھیلوں میں

حصہ لینے کا بھی انتہا درجے کا شوق رہا، اسی شوق کی تکمیل کے پیش نظر صوبیدار ممتاز حسین نے ایک سخت سپاہیانہ زندگی کے باوجود بھی اپنا یہ سفر جاری رکھا اور ایف اے پھر بی اے تک تعلیم حاصل کی اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی یونٹ کی فٹبال ٹیم کے کپتان بھی رہے۔ پاکستان آرمی میں اسلحہ کے بہترین انسٹرکٹر کے طور پر بھی ان کی اپنی الگ شناخت تھی اور وہ ہر قسم کے اسلحہ کے استعمال میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ فرض کی ادائیگی کے دوران آپ کھاریاں، خضدار بلوچستان، بہاولپور، ٹیکسلا، راولپنڈی، چھمب جوڑیاں، لاہور، سوات اور دیگر علاقوں میں تعینات رہے۔ کارگل کی تاریخی جنگ میں بھی آپ نے بہادری اور جوانمردی کی تاریخ رقم کی اور ہندو دشمن کے ناپاک قدم اپنی دھرتی کی جانب نہ بڑھنے دیئے۔

شہید صوبیدار ممتاز حسین خداداد صلاحیتوں اور عسکری تجربے کی بنا پر ترقی کی منازل طے کرتے گئے اور مدتِ قلیل میں ہی صوبیدار کے عہدے تک پہنچے۔ بلوچ رجمنٹ میں آپ کو انتہائی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ جب آپ کو میران شاہ تعینات کیا گیا تو اس وقت آپ بحثیت صوبیدار اپنے جوانوں کی کمانڈ کر رہے تھے۔

شہید ممتاز حسین نے ایک سال تک قبائلی علاقوں میں خدمات انجام دیں، ہر فوجی مہم جوئی کا حصہ بنے اور دہشت گردوں کے عزائم خاک میں ملاتے رہے۔ آپ نے ملک و ملت کی حفاظت کی خاطر گھنے جنگلوں، برفیلے پہاڑوں اور صحراؤں میں فرائض انجام دیئے اور دشمن کی ہر ضرب اور ہر مہم کو ناکام بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ مورخہ 4 جولائی 2011ء میران شاہ کے علاقہ میں آپ چند نوجوانوں کی کمانڈ کرتے ہوئے علاقہ میں گشت کر رہے تھے کہ اچانک قریبی پہاڑیوں سے دشمن نے ان کی

گاڑی پر حملہ بول دیا۔ آپ کی یونٹ کے جوان بتاتے ہیں کہ اس مردِ جری نے اپنے بہادر جوانوں کے ہمراہ دشمن کا ڈٹ کر بھرپور مقابلہ کیا اور دشمن کو بخوبی علم ہو گیا کہ اس کا پالا دھرتی کے کسی غیور صفت اور دلیر فرزند سے پڑا ہے۔

اس لڑائی میں دشمن کو بھاری نقصان جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ آپ یہ کارروائی مکمل کر کے جونہی واپسی کے لئے نکلے تو آپ کی گاڑی ایک پل پر پہلے سے نصب شدہ ریموٹ کنٹرول بم دھماکے کی زد میں آ گئی جس کے نتیجے میں صوبیدار ممتاز حسین اپنے چار فوجی جوانوں کے ہمراہ منصب شہادت پر فائز ہو گئے اور بلاشبہ یہ شہید فوجی دستہ اپنی قربانی سے بلوچ رجمنٹ کا نام ہمیشہ کے لئے روشن کر گیا۔

پاک فوج کا یہ مایہ ناز اور شیر دل کمانڈر آج بستی میاں پنجہ ضلع بھکر کے قبرستان میں آسودہ خاک ہے۔ آپ کی دلیرانہ شہادت پر علاقہ بھر کی سیاسی، سماجی اور مذہبی شخصیات نے انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا اور ہر طبقہ فکر نے ان کی جدوجہد کو سراہا۔ یہ جری فرزند صرف اڑتیس برس کی عمر میں اپنی جان جیسی قیمتی متاع قربان کر کے تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لئے امر ہو گیا۔ صوبیدار ممتاز حسین شہید جیسے عظیم فرزندوں کے مثالی جذبہ اور جرات و بہادری کو سپرد قلم کرنا آسان کام نہیں ہوتا، شاعر نے ایسے ہی جانثاروں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا

میں محبت کا تو دیتا ہوں محبت سے جواب
لیکن اعدا کے لیے قہر و قیامت ہوں میں
میرا دشمن مجھے للکار کے جائے گا کہاں
خاک کا طیش ہوں، افلاک کی دہشت ہوں میں

◆......◆......◆

سندھ رجمنٹ' ایلفا کمپنی کا جانثار

حوالدار محمد ریاض حسین شہید

وطن عزیز پاکستان اس حوالے سے بھی اپنی ایک منفرد شناخت رکھتا ہے کہ اس دھرتی کے سپوتوں نے وطن کے دفاع کی خاطر اپنی ہمت اور سکت سے بھی بڑھ کر قربانیاں پیش کیں۔ ان بہادروں' سرفروشوں نے ہر دور میں جانوں کے نذرانے پیش کر کے دشمن کی راہ میں اپنے گرم اور تازہ لہو سے لکیر کھینچ ڈالی کہ جس سے آگے بڑھنا اس سرزمین کے ازلی دشمنوں کے بس کا روگ نہیں۔ اس پورے خطے میں جگہ جگہ آپ کو شہداء' غازیوں اور جانثاروں کے ایمان افروز واقعات سننے کو ملیں گے جنہوں نے ملت کے اجتماعی مفاد اور بقاء کے لیے خود کو فناء کر دیا' ہاں مگر اپنی جانیں گنوا کر بھی یہ سرفروش فناء کے اس درجہ کو پہنچے جو دراصل بقاء کا ہی تسلسل ہے' فناء اور بقاء کی اس رمز کو سمجھنا اور پرکھنا ہو تو ان شہداء کے حالات و واقعات سے آگاہی حاصل کیے بغیر اس حقیقت تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ حوالدار محمد ریاض حسین کا تعلق بھی شہداء کے اسی قافلے سے ہے جنہوں نے کڑے وقت میں اس وطن کی آواز پر لبیک کہا' وطن دشمنوں کو ناکوں چنے چبوائے اور خود کو فناء کر کے دائمی بقاء کی منزل کو پا لیا۔

بھکر شہر سے آپ ضلع لیہ کی جانب سفر کر رہے ہوں تو راستے میں بہل اور یوسف شاہ جیسے زرخیز علاقوں سے گزر ہوتا ہے' دریائے سندھ کنارے قصبہ یوسف شاہ سے

تعلق رکھنے والے حوالدار محمد ریاض شہید نے 21 جنوری 1983ء کو ایک مقامی کاشتکار ملک سونا خان ہرل کے آنگن میں آنکھ کھولی۔ نہ جانے ان کے والد محترم ملک سونا خان کو کیا سوجھی کہ انہوں نے اس بچے کی پھرتی' چابکدستی اور بے باکی دیکھتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ میرا یہ بیٹا تو پاکستانی فوج میں ایسے جچے گا جیسے ہیرا انگوٹھی میں۔ پھر یہی ہوا کہ شہید کے والد کے یہ الفاظ شاید مشیت ایزدی کو پسند آ گئے اور حوالدار محمد ریاض حسین شہید 2000ء میں گورنمنٹ ہائی سکول ڈھانڈلہ بھکر سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد فوج کا حصہ بن گئے۔ 2001ء میں حیدر آباد میں سندھ رجمنٹ کے تربیتی سنٹر سے عسکری اسرار و رموز اور جنگی مہارت کا سبق کامیابی کے ساتھ سیکھا اور 30 سندھ رجمنٹ کی ایلفا کمپنی میں شامل ہوئے۔

اپنی گیارہ سالہ فوجی سروس میں انہوں نے ملک کے مختلف حصوں میں ڈیوٹی کے فرائض سرانجام دیے۔ 2012ء کے اوائل میں انہیں شمالی وزیرستان کے علاقہ میران شاہ میں تعینات کیا گیا تھا' وہ تقریباً ایک سال آپریشن ایریا میں رہے۔ آخر کار 30 دسمبر 2012 کا دن آن پہنچا جو ان کے لیے شہادت کی نوید لے کر آیا' رات کے پچھلے پہر وہ اپنے فوجی جوانوں کے ہمراہ میران شاہ کے ایک دشوار گزار پہاڑی سلسلے سے گزر رہے تھے کہ وطن دشمن عناصر نے ان پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا' حوالدار محمد ریاض شہید نے اپنے جوانوں کے ہمراہ عسکریت پسندوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا' وہ اسی کارروائی میں شدید زخمی ہوئے اور چند ساعتوں کے بعد شہادت کا رتبہ پا گئے۔

حوالدار محمد ریاض حسین کے کزن ملک سونہارا خان نے بتایا کہ جب ان کی شہادت کی اطلاع ملی تو بے اختیار ہمیں اس کا خلوص اور اس کی دھرتی سے محبت یاد آ گئی اور ہم اس کی یادوں میں کھو گئے' جب ان کا جسد خاکی لایا گیا تو ہم نے دیکھا کہ اس کا

وجود کسی پھول کی صورت مہک رہا تھا اور عجب سی فرحت اور تازگی اس کے چہرے سے مترشح تھی، ہمیں اپنے اس جواں پر فخر ہے کہ اس نے دھرتی پر جان لٹا کر ہم سب کا سر فخر سے بلند کر دیا اور ہمارے خاندان کو یہ اعلیٰ اعزاز نصیب ہوا۔ اہالیان بھکر نے ان کی نماز جنازہ میں بڑی تعداد میں شرکت کی، فوج کے مستعد دستے نے انہیں سلامی پیش کی اور یہ شہیدِ راہِ وفا قصبہ یوسف شاہ میں آسودہ خاک ہوا اور دھرتی کے سینے پر اپنے سرخ لہو سے یہ پیغام لکھ چھوڑا۔

اے دیارِ وفا تو سلامت رہے
تیری حرمت پہ سب کچھ لُٹا دیں گے ہم
چاند تارے کا پرچم رہے ضوفشاں
تیرگی کا نشاں تک مٹا دیں گے ہم

◆……◆……◆

سیف الخالد کمپنی، آرمڈ کور کا جوان

سپاہی حافظ محمد ثناء اللہ شہید

شہید کا خون کبھی رائیگاں نہیں جاتا، یہ مٹی میں جذب نہیں ہوتا بلکہ اس کا خون قوم کے روح و بدن میں داخل ہو جاتا ہے اور اسے حیاتِ جاوداں عطاء کرتا ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شہید کی موت میں پوری ملت کی بقاء کا راز مضمر ہے، شاعر نے کیا خوب کہا تھا ۔

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے
لہو جو ہے شہید کا وہ قوم کی زکوۃ ہے

سپاہی حافظ ثناء اللہ شہید کا تعلق بھی شہداء کی اسی جماعت کے ساتھ ہے جنہوں نے اپنی پھول سی اور خوبصورت جوانی کو وطن اور قوم کی بقاء پر وار دیا اور شہداء کے قافلے میں جا شامل ہوئے۔ آپ بڑی دلیری کے ساتھ لڑتے ہوئے میدانِ کارزار میں شہید ہوئے۔ 15 جولائی 2012ء کی ایک شام آپ سوات کے علاقہ مینگورہ میں تعینات تھے کہ عسکریت پسندوں نے ان کے کیمپ پر حملہ کر دیا، سپاہی حافظ ثناء اللہ شہید نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا اور اس کے مکروہ عزائم کو ناکام بنایا۔ شدت پسندوں کا حملہ اس قدر مہلک تھا کہ کیمپ کو چاروں طرف سے آگ نے گھیر لیا، سپاہی ثناء اللہ شہید آگ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کیمپ میں داخل

ہوئے اور اپنے کئی ساتھیوں کی قیمتی جانیں بچانے میں کامیاب ہوئے لیکن اس گولہ و بارود کی بارش میں خود بری طرح زخموں سے چور چور ہو گئے۔ انہیں شدید زخمی حالت میں ابتدائی طبی امداد دینے کے بعد سی ایم ایچ کھاریاں کے برن سنٹر میں منتقل کیا گیا لیکن جانبر نہ ہو سکے اور 20 جولائی کی شب خالق حقیقی سے جا ملے۔

حافظ ثناء اللہ شہید نے 14 اگست 1983ء کو تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا کے نواحی گاؤں چک نمبر 11 ایم ایل میں ایک زمیندار گھرانے میں آنکھ کھولی تھی، آپ کا تعلق ایک بہادر بلوچ گھرانے سے تھا۔ شہید کے بھائی اللہ یار خان بلوچ نے بتایا کہ حافظ ثناء اللہ بہت ہی ذہین، فطین اور لائق نوجوان تھا، اس نے 2001ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھلوال سے میٹرک کا امتحان پاس کیا، پھر اسے قرآن پاک حفظ کرنے کا شوق دامن گیر ہوا، چنانچہ اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے شہید حافظ ثناء اللہ کو مقامی مدرسہ میں داخل کروا دیا گیا جہاں سے اس نے مدتِ قلیل میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا۔ انہی دنوں فوج میں بھرتی کا اعلان ہوا تو حافظ ثناء اللہ نے نوشہرہ کی جانب رختِ سفر باندھا اور آرمڈ کور سنٹر نوشہرہ پہنچے، عسکری تربیت کی تکمیل کے بعد وہ یونٹ 31 کیولری (سیف الخالد) کا حصہ بنے۔ شہید سپاہی حافظ محمد ثناء اللہ فوجی ٹریڈ کے لحاظ سے ایک بہترین گنر تھے۔

آپ خوش الحان حافظ قرآن، قاری قرآن اور نعت خوان مصطفیٰ ﷺ تھے، اس کے ساتھ ساتھ آپ کبڈی کے ایک بہترین کھلاڑی بھی تھے۔ آپ یونٹ کی جانب سے کھیلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور یونٹ کے آفیسرز اور جوان ان کی صلاحیتوں کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔ قوم کے اس بہادر محافظ کی نماز جنازہ 21 جولائی 2012ء کی سہ پہر چک نمبر 11 ایم ایل بھلوال ضلع سرگودھا میں ادا کی گئی اور پاک

فوج کے ایک مستعد دستے کی سلامی میں ان کی تدفین ہوئی۔ حافظ ثناء اللہ نے جس انداز سے وطن کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا اس بنا پر ان کا نام تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ روشن رہے گا۔ بقول شاعر ؎

زمانے میں جب تک اُجالا رہے گا
تیرے نام کا بول بالا رہے گا

◆......◆......◆

پنجاب رجمنٹ کا ایک ہیرو

سپاہی محمد عطاء اللہ

پاک فوج کے اس شاہین صفت سولجر نے 1989ء میں تحصیل دریا خان ضلع بھکر کے ایک متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی، میٹرک کا امتحان آکسفورڈ پبلک سکول دریا خان شہر سے پاس کرنے کے بعد 2007ء میں پاک فوج میں شامل ہوئے۔ اپنے حسنِ سلوک اور خوش مزاجی کے باعث علاقہ بھر میں اور اپنے فوجی دوستوں میں بہت پسند کئے جاتے۔ آپ نے فوجی ٹریننگ اور عسکری علوم بڑی لگن اور محنت کے ساتھ حاصل کیے۔

پنجاب رجمنٹل سنٹر مردان میں تربیت کے سخت مراحل کامیابی سے طے کئے اور پاسنگ آؤٹ پریڈ کے بعد اس بہادر جوان کو منگلا میں تعینات کیا گیا' منگلا میں کچھ ماہ ڈیوٹی دینے کے بعد انہیں باجوڑ ایجنسی میں دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کے لئے منتخب کیا گیا۔ شہید محمد عطاء اللہ نے دھرتی کے دفاع کی خاطر باجوڑ ایجنسی کی دہکتی سرزمین پر قدم رکھا جو ان دنوں دہشت گردوں کی مستقل آماجگاہ بن چکی تھی۔

سپاہی عطاء اللہ شہید اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ دہشت گردوں کے خلاف

صف آراء ہوا اور مختلف کارروائیوں میں دشمن کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور اسے کمزور کر دیا۔ سپاہی عطاء اللہ اور اس کے گروپ نے باجوڑ ایجنسی میں دہشت گردوں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ گولیوں کی تڑ تڑاہٹ اور توپوں کی گھن گرج میں پاک فوج کے جن جوانوں نے دہشت گردوں کو ناکوں چنے چبوائے ان میں یہ سپوت بھی سرفہرست رہا۔ سپاہی عطاء اللہ شہید ہر کارروائی میں فرنٹ پر رہا اور اس کا جذبہ حب الوطنی دہشت گردوں کے اس مضبوط گڑھ میں بھی ماند نہ پڑ سکا۔

مورخہ 16 جون 2010ء کی صبح پانچ بجے باجوڑ ایجنسی میں پاک فوج کے کمانڈر میجر وسیم علی ٹیپو کو اطلاع ملی کہ شدت پسند مہمند ایجنسی کے بارڈر پر جمع ہو رہے ہیں، میجر وسیم علی ٹیپو نے اسی وقت اپنے جوانوں کو مہمند ایجنسی کی جانب پیش قدمی کا حکم دیا، عطاء اللہ شہید مضبوطی سے گن تھامے میجر ٹیپو کے دائیں طرف تھا، جب یہ قافلہ ایک برساتی نالے کے قریب پہنچا تو سپاہی عطاء اللہ نے دیکھا کہ نالے کے اس پر دہشت گرد چھپے ہوئے ہیں، اس بہادر جوان نے بروقت اپنے کمانڈر اور دیگر ساتھیوں کو چوکنا کیا، میجر ٹیپو بتاتے ہیں کہ جس وقت دہشت گردوں نے ہم پر دھاوا بولا اس وقت سپاہی عطاء اللہ کمال جرات اور استقامت کے ساتھ دہشت گردوں کی راہ میں حائل رہا، یہ جوان بڑی بے جگری سے لڑا، میں اپنی آنکھوں سے اس کی گن کو شعلے اگلتے دیکھ رہا تھا اور وہ کسی شاہین کی مانند دشمن پر جھپٹ رہا تھا۔ میجر کہتے ہیں کہ دشمن کے اس خوفناک وار کے آگے سپاہی عطاء اللہ اور اس کے دیگر ساتھیوں نے بند باندھا اور ان کے بروقت اقدام سے ہم بڑی تباہی سے بچ گئے۔ اسی معرکہ میں سپاہی عطاء اللہ کی ٹانگوں پر دو اور سینہ پر ایک گولی لگی اور وہ شہادت کے رتبے پر فائز ہوا۔ اس کارروائی میں عطاء اللہ سمیت دس

جوان شہید ہوئے جبکہ 80 سے زائد شر پسند ہلاک ہوئے۔

سپاہی محمد عطاء اللہ کے کمانڈنگ افسر کا کہنا تھا جب شہادت کے بعد میں اس کے قریب گیا تو اس وقت بھی اس بہادر جوان کا ہاتھ اپنی گن پر مضبوطی سے جما ہوا تھا جو اس کی حب الوطنی کی گواہی دے رہا تھا۔ تاریخ ساز بہادری کی یہ داستان 25 پنجاب رجمنٹ کی تاریخ میں سنہری حروف میں یاد رکھی جائے گی۔ شہید عطاء اللہ کا جسدِ خاکی 17 جون 2010ء کو دریا خان بھکر لایا گیا، نمازِ جنازہ میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی اور اپنے اسے جرأت مند محافظ کو خراج تحسین پیش کیا۔ دھرتی کے اس بہادر بیٹے کو ڈیفنس سروسز گارڈ کے دستے نے سلامی پیش کی اور پیر مہوٹہ قبرستان دریا خان میں یہ نوجوان آسودہ خاک ہوا۔

◆......◆......◆

سرحدِ ارض وطن تجھ پہ نثار اپنی حیات

سپاہی عدنان شہزاد عرف پپو شہید

وطن عزیز کی دیگر سیکیورٹی فورسز کی طرح پاکستان کوسٹ گارڈ کی تاریخ بھی جذبہ حب الوطنی اور لازوال جدوجہد سے بھری پڑی ہے۔ سپاہی محمد عدنان شہزاد عرف پپو کا شمار بھی پاکستان کوسٹ گارڈ کے بہادر جوانوں میں ہوتا ہے جنہوں نے وطن کے تحفظ، دفاع، بقاء، سلامتی اور استحکام کی خاطر اپنی خوبصورت جوانی کو لہو رنگ کر دیا اور چھوٹی سی عمر میں اپنی جان دھرتی پر نچھاور کر ڈالی۔ آپ ملک اور قوم کے ایک ہونہار اور شیر دل فرد تھے۔

سپاہی عدنان شہزاد نے مئی **1989**ء میں تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا کے گاؤں **10/ML** میں ایک مقامی زمیندار محمد ریاض کے آنگن میں زندگی کی پہلی سانسیں لیں۔ گورنمنٹ ہائی سکول بھلوال سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور چھ جنوری **2008**ء کو پاکستان کوسٹ گارڈ میں سلیکٹ ہو کر کورنگی ہیڈ کوارٹر کراچی میں پہنچے۔ کامیاب فوجی تربیت کے بعد مختلف علاقوں میں خدمات سرانجام دیں۔ شہادت کے وقت عدنان شہزاد بلوچستان کے علاقے گوادر پیشگان میں ڈیوٹی پر تھے جب وطن دشمن عناصر نے ان کی چیک پوسٹ پر حملہ بول دیا۔ یہ **21** جولائی **2012**ء یکم رمضان المبارک کا دن تھا اور پیشگان چیک پوسٹ پر موجود سپاہی عدنان شہزاد اپنے دیگر چھ ساتھیوں کے ہمراہ موجود تھا کہ وطن عزیز کا یہ مختصر محافظ دستہ بری طرح سے دشمنان وطن کی زد پر آ گیا۔ لاتعداد مسلح دہشت گردوں نے پیشگان کی اس محافظ چوکی

پر جدید ہتھیاروں سے حملہ کر دیا۔

پاکستان کوسٹ گارڈ کے ان جوانوں نے اپنی استعداد سے بڑھ کر دہشت گردوں کا مقابلہ کیا اور اس معرکے میں سپاہی عدنان شہزاد عرف پپو اپنے چھ دیگر ساتھیوں سمیت شہادت پا گیا۔ دو رمضان المبارک کی شام چھ بجے ان کا جسد خاکی آبائی علاقہ لایا گیا اور انہیں اہل علاقہ نے فرطِ جذبات کے ساتھ چک نمبر دس ایم ایل بھلوال کے شہر خموشاں میں لحد میں اتارا۔ شہید کے بھائی محمد اعجاز نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ سپاہی عدنان شہزاد جس منزل پر پہنچنا چاہتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے وہ عطاء کر دی، سپاہی عدنان شہزاد ہمارے گھر کا بہت اہم اور پیارا ترین فرد تھا، وہ تمام برادری کا بہت ہی پیارا بچہ تھا جسے ہماری ساری لوگ پیار سے پپو کہتے تھے۔ ہم حیران ہیں کہ اس قدر کم سنی میں باری تعالیٰ نے اسے شہادت جیسا بلند مقام ودیعت فرما دیا۔

بلاشبہ جس اعلیٰ اور ارفع منزل تک وہ پہنچا وہ ہر ایک کے مقدر میں نہیں ہوتی۔ عدنان شہزاد پپو کی شہادت سے گویا ہمارے دل و جگر بہت زخمی ہیں اور اس بچے کی حسین یادیں ہمیں رُلائے دیتی ہیں لیکن کیا کریں کہ جب کسی بھی ملک اور قوم پر مشکل اور کڑا وقت آتا ہے تو لامحالہ اس کے جانباز، سرفروش اور بہادر بیٹوں کو ہی اپنی خوبصورت جوانیوں کو لٹا کر اس کی حفاظت کا فریضہ انجام دینا پڑتا ہے، پس دھرتی کے اسی دفاع کی خاطر ہمارے گھر کے اس ہونہار سپوت نے بھی اپنی جوانی لٹا کر مٹی کا قرض چکا ڈالا۔

سرحدِ ارض وطن تجھ پہ نثار اپنی حیات
جذبہ شوق ترے حسن سرفراز کے نام
سرحدِ پاک سلامت رہے تو حشر تلک
پرچم ارضِ وطن تیری بلندی کو سلام

◆......◆......◆

سوات میں دہشت گردوں کے خلاف برسر پیکار رہنے والے

سپاہی محمد رضوان عرف جو.جی شہید

ارض پاک کا یہ دلیر فرزند بھکر شہر کے محلّہ معصوم آباد میں 1984ء میں پیدا ہوا۔ 2005 میں میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ماڈل ہائی سکول بھکر شہر سے پاس کیا۔ 2007ء میں پاک فوج میں شامل ہو کر انفنٹر ی کی بلوچ رجمنٹ کا حصہ بنا۔ فوجی تربیت کے بعد اسے 32 بلوچ رجمنٹ کی طرف سے گوجرانوالہ تعینات کیا گیا۔ مورخہ یکم فروری 2008ء کو سپاہی رضوان جو.جی کو سوات فوجی آپریشن کے لئے منتخب کیا گیا اور یہ دلیر جوان سوات کی جنت نظیر وادی میں جا پہنچا۔ یہ حسین دھرتی ان دنوں بدامنی کی آگ میں جل رہی تھی اور اس سے پورا وطن بری طرح متاثر ہو رہا تھا۔

محمد رضوان جو.جی ایک عزم صمیم کے ساتھ اس دہکتی وادی میں اترا اور دشمن کے خلاف فوج کے آپریشن میں شریک ہو گیا۔ وادی سوات میں اس نے استقامت اور بہادری کی ایک نئی مثال قائم کی جس کی بناء پر آج بھی اس کی یونٹ میں اسے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ باہمت نوجوان صرف ڈیڑھ سالہ سروس کے دوران ہی فوجی دوستوں اور اپنے افسروں کے دل میں گھر کر گیا۔ رضوان جو.جی شہید کے والدین اور بھائی محمد فرحان، محمد نعمان اور محمد محسن نے بتایا کہ محمد رضوان شہید سوات سے دو ماہ کے بعد گھر چھٹی آیا تو اس سے محاذِ جنگ کے حالات اور واقعات سن کر ہمیں لگ رہا تھا کہ واقعی

اس نے نہایت بہادری اور جرات کے ساتھ یہ ٹاسک قبول کر رکھا ہے۔

وہ بتاتا کہ مجھے دہشت گردوں سے شدید نفرت ہے اور میری آرزو ہے کہ ملک بھر سے ان کا خاتمہ ہو۔اس کی باتوں سے ہمیں لگتا تھا جیسے اس نے خود کو اس جنگ کے لئے والنٹیئر کر رکھا ہو۔شہید کے والدین کہتے ہیں کہ وہ ایک بہادر اور سخت جان آدمی تھا'اس کی پیار بھری باتوں کی وجہ سے اسے سبھی خاندان والے"جوجی" کہہ کر پکارتے اور بعدازاں آرمی میں بھی اسے اسی نام سے پکارا جانے لگا۔

مورخہ 28 جون 2008ء کی شام پانچ بجے یہ جوان تین ساتھیوں کے ہمراہ ڈیوٹی پر موجود تھا کہ دشمن نے ان پر حملہ کر دیا۔اس فائٹ میں کئی دہشت گردان جوانوں کی گولیوں کا نشانہ بنے ،رضوان جوجی برابر دوستوں کا حوصلہ بڑھاتا رہا اور اپنی دھرتی کے تحفظ کی خاطر آخر دم تک لڑتا رہا۔اس خونریز جھڑپ میں دشمن کی جانب سے آنے والا ایک برسٹ اس جوان کو چھلنی کر گیا جس سے وہ موقع پر ہی شہید ہو گیا۔ 29 جون کو اس جانثار سپاہی کی نماز جنازہ اپنے آبائی علاقہ میں ادا کی گئی اور کیپٹن محمد حسن کی قیادت میں آنے والے فوجی دستے نے سلامی پیش کی اور اہل علاقہ نے اسے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ قبر میں اتارا۔

◆......◆......◆

خطہ پوٹھوہار کا سپوت، پنجاب رجمنٹ کا سرمایہ

سپاہی عاصم رضا شہید

غازیوں اور شہیدوں کی سرزمین خطہ پوٹھوہار کی تاریخ بہادری اور جرات کی علامت بن کر رہ گئی ہے' یہاں کے جوانوں نے وطن عزیز کی سلامتی اور تحفظ کی خاطر ناقابل فراموش قربانیاں دی ہیں۔ سپاہی عاصم رضا کا تعلق بھی اسی خطے سے تھا جو کچھ عرصہ پیشتر وطن عزیز کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔
محمد عاصم رضا 1986ء میں ضلع چکوال کے ایک گاؤں شاہ پور سیداں کے ایک فوجی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد غلام حیدر نے پاکستان آرمی کی رجمنٹ آف آرٹلری میں فرائض انجام دیئے اور 1989ء میں لانس نائیک کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ عاصم رضا نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی، 2006ء میں پاک فوج میں شامل ہوا اور پنجاب رجمنٹل سینٹر مردان میں فوجی تربیت کے مدارج طے کئے، بعد ازاں سیاچن محاذِ جنگ پر بڑی دلیری اور ہمت سے فرائض انجام دیئے۔
محمد عاصم رضا کو سیاچن سے اوکاڑہ اور بعد ازاں وزیرستان کے علاقہ مکین میں بھیجا گیا، عسکریت پسندوں کے اس مضبوط گڑھ میں اس جوان نے اپنی جوانمردی اور جرات کے جوہر دکھائے اور وطن عزیز کی سلامتی کی خاطر ہمیشہ پرجوش رہا۔ عاصم رضا کے ساتھیوں کے مطابق وہ ہر کارروائی میں سب سے آگے رہتا' وطن کی خاطر مرمٹنا اس

کے مشن میں شامل تھا۔

علاقہ مکین کی خارزار وادی میں مورخہ 6 جون 2010ء کوعلی الصبح شدت پسندوں اور پاک فوج کے دستوں میں ایک فیصلہ کن معرکہ شروع ہوا۔ دونوں طرف سے خود کار ہتھیار شعلے اگلنے لگے اور پاک فوج کے جوان نعرہ تکبیر کی گونج میں دہشت گردوں پر غلبہ پاتے گئے۔ عاصم رضا اور اس کے ساتھیوں نے شدت پسندوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا، شعلے اگلتی ان کی بندوقوں کے آگے دشمن بے بس رہا۔ عاصم رضا نے یہ معرکہ بڑی استقامت اور ہمت سے لڑا، یہ کارروائی طلوع آفتاب تک جاری رہی۔ اس کامیاب کارروائی کے بعد عاصم رضا اور اس کے ساتھی واپس آ رہے تھے کہ پہاڑی چوٹیوں میں چھپے دہشت گردوں نے ان پر دوسرا کاری وار کیا۔ راکٹوں اور اندھا دھند فائرنگ کی زد میں آ کر سپاہی عاصم رضا اپنے پانچ ساتھیوں سمیت شدید زخمی ہوا اور چالیس منٹ تک موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد فیلڈ ایمبولنس ہسپتال میں دم توڑ گیا۔

عاصم رضا کے جسد خاکی کے ساتھ آنے والے اس کی یونٹ کے میجر ریاض احمد خان کا کہنا تھا کہ عاصم رضا جس گروپ میں شامل تھا اس نے ہمیشہ فرنٹ پر لڑنے کو ترجیح دی اور یہ چند جوان تو ایسے تھے کہ جھپٹنا، پلٹنا اور پلٹ کر جھپٹنا ان کی فطرت تھی۔ عاصم رضا کے بڑے بھائی عامر رضا پاک فوج کی سگنل کور میں فرائض انجام دے رہے ہیں اور وہ اس بات پر فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان کے بھائی نے وطن کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور دھرتی کے دفاع کی جنگ لڑی۔

◆......◆......◆

چار باغ میں قیام امن کی خاطر قربانی دینے ولا فرزندِ وطن

سپاہی شہزادا انجم شہید

شہزادا انجم شہید ایسے جگمگاتے کردار کا نام ہے جس پر پاکستانی قوم کو تا دیر فخر رہے گا اور بلا شبہ جس دھرتی پر مائیں شہزادا انجم جیسے بہادر سپوتوں کو جنم دیتی رہیں اس کی سالمیت کو بڑے سے بڑا عیار دشمن بھی چیلنج نہیں کر سکتا۔ افواج پاکستان کے اس سپاہی نے ضلع بھکر کے گاؤں چک نمبر 60/61 ایم ایل میں مارچ 1982ء میں ایک متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی۔ شہزادا انجم شہید ایک نہایت ذہین، سادہ طبع اور شریف النفس انسان تھے۔ ابتدائی تعلیم مقامی درس گاہ میں حاصل کی اور میٹرک کا امتحان 2001ء میں گورنمنٹ ہائی سکول خان پور ضلع بھکر سے پاس کیا۔ شہید شہزادا انجم کو آرمی جوائن کرنے کا از حد تک شوق تھا اور اپنے اسی شوق کی تکمیل کی خاطر وہ اگست 2003ء میں فرنٹیئر فورس میں بھرتی ہوا اور ملک و قوم کی حفاظت کی خاطر کمر بستہ ہو گیا۔

شہزادا انجم شہید اپنی پیار بھری باتوں اور پر خلوص ہونے کے ناطے ہر ایک میں بے حد مقبول تھا۔ پاکستان آرمی کی یونٹ FF-18 میں بھی وہ ہر افسر اور جوان کی نظروں میں بہت مقبول رہا۔ آرمی میں مزاحیہ شاعری میں بھی اس نے اپنا نام پیدا کیا۔ لوگ اس کے لب و لہجے کی مٹھاس سے محظوظ ہوئے بنا نہ رہ سکتے تھے۔ وہ جس کسی سے بھی ملتا اس کے دل میں گھر کر جاتا اس لیے کہ وہ خوش دلی اور خوش مزاجی کا

حسین مرقع تھا۔شہزادا انجم اپنی یونٹ کے ہر فنکشن میں حصہ لیتا۔تلاوت، حمد ونعت، تقریر، شعر وشاعری اور کھیلوں میں اپنی یونٹ کے ساتھیوں پر ہمیشہ سبقت لے جاتا۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے فوجی افسر بننا اس کا دیرینہ خواب تھا اور اسی سلسلے میں اس کی تگ ودو جاری تھی۔

بعد از شہادت اس کا سرگودھا بورڈ سے انٹرمیڈیٹ کا رزلٹ آیا تو اس نے نمایاں کامیابی حاصل کرتے ہوئے +A گریڈ حاصل کیا اور یوں اس کا شاندار رزلٹ علاقہ بھر میں اس کی مقبولیت میں جہاں اضافہ کر گیا وہیں اہل علاقہ و گھر والوں کو اس قدر غمگین کر گیا جسے تحریر میں لانا ممکن نہیں۔

جون 2006ء میں قوم کے اس محافظ کو سخت ترین محاذِ جنگ سیاچن پر تعیناتی کا حکم سنایا گیا جو اس نے خندہ پیشانی سے قبول کیا۔شہید کے بڑے بھائی پروفیسر مسعود انجم آمر نے راقم کو بتایا کہ جب شہزادا انجم سیاچن روانگی سے پیشتر گھر چھٹی آیا تو خوشی اس کے چہرے سے اس قدر عیاں ہو رہی تھی گویا اک مدت کے بعد مطلوبہ گوہر اس کے ہاتھ آیا ہو۔دنیا کے اس بلند و بالا اور سرد محاذِ جنگ پر یہ مجاہد اگست 2008ء تک تعینات رہا اور اپنے اس دوسال کے عرصے میں بہادری و جوانمردی کے جوہر دکھائے۔سیاچن میں دوسال گزارنے کے بعد یہ سولجر گھر واپس آیا ہی تھا کہ انہی دنوں وطن عزیز کی سرسبز و حسین وادی سوات نے اسے پکارا۔وادی میں شرپسندوں کی سرگرمیاں عروج پر تھیں جو بیرونی فنڈنگ سے مسلسل پنپ رہے تھے اور وطن عزیز کو عدم استحکام سے دوچار کر رہے تھے۔چنانچہ اپنے دوسرے ساتھی جوانوں کے ہمراہ سپاہی شہزادا انجم مورخہ 15 مئی 2009ء کو وادی سوات میں دہشت گردوں کی سرکوبی کے لئے بھیج دیا گیا اور سوات کی تحصیل چار باغ میں یہ مجاہد دشمن

کے خلاف سینہ سپر ہوا۔

چار باغ میں شہزاد انجم ایک خودکش حملے میں زخمی بھی ہوا اور علاج ومعالجہ کے بعد پھر سے محاذ پر ڈٹ گیا۔ مورخہ یکم جون 2009ء کی شام تحصیل چار باغ کے ایک مقام پر اسے دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسے جونہی دشمن پر حملہ کرنے کا حکم ملا اس جانباز نے بڑی جرات، بے باکی، بہادری اور جانثاری کی ایک نئی روایت رقم کرتے ہوئے دشمن پر ہلہ بولا۔ شہزاد انجم اور اس کے ساتھیوں نے بھاری اسلحہ سے لیس دہشت گردوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا' اس معرکہ میں کئی دہشت گرد جہنم رسید ہوئے اور متعدد کو گرفتار کرلیا گیا، اسی موقع پر دشمن کی فائرنگ کی زد میں آکر یہ سجیلا نوجوان اپنے مقدس فرض کو نبھاتے ہوئے بے مثل و بے مثال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہادت کے رتبے پر فائز ہوا۔ ملت کے اس مردِ مجاہد اور دلیر فرزند کا جسدِ خاکی آبائی علاقے میں لایا گیا اور مورخہ 3 جون 2009ء کی سہ پہر چک نمبر 60/61 ایم ایل اس کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور اسے مقامی قبرستان میں پورے فوجی اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔ پروفیسر حمید کوثر نے لانس نائیک محفوظ شہید کے متعلق بہت عمدہ شعر کہا تھا جو محض نام کی تبدیلی کے ساتھ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

پاکستانی قوم کے ہیرو اے شہزاد شہید
تیرے پاک لہو سے چمکا ملت کا خورشید

◆......◆......◆

بلوچ رجمنٹ کو اس بہادر نوجوان پر ناز رہے گا

سپاہی محمد عمران خان شہید

محمد عمران خان ایک فوجی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ محافظ وطن 12 اکتوبر 1987ء کو سوانس ضلع میانوالی میں روزی خیل قبیلہ کے ایک فرد شیر گل خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ محمد عمران ایک ذہین، روشن دماغ اور بڑے جفاکش سپاہی تھے۔ شہید کے بڑے بھائی حوالدار میر خان پاک فوج کی انجینئر نگ کور، دوسرے بھائی نائیک محمد خان آرمی ایوی ایشن اور تیسرے بھائی کامران خان ای ایم ای کور میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

عمران خان نے میٹرک تک تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول سوانس سے حاصل کی، 2003ء میں فوج میں بھرتی ہوئے اور بلوچ رجمنٹ کی 35 بلوچ یونٹ میں جی ڈی سپاہی کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ ایبٹ آباد میں فوجی تربیت حاصل کرنے کے بعد سیاچن گلیشیئر اور ملک کے دیگر علاقوں میں تعینات رہے۔ 2010ء میں گوجرانوالہ میں تعینات تھے کہ وزیرستان آپریشن میں شریک ہونے کا حکم ملنے پر بلاخوف وخطر وزیرستان کی دہکتی وادی میں پہنچے اور دہشت گردوں کے خلاف سینہ سپر ہوئے۔ یہ جواں ہمت محافظِ وطن نہایت جذبے کے ساتھ خود کو اس جاں گسل مشن کے لئے پیش کر کے اپنے ساتھیوں کے شانہ بشانہ وطن دشمنوں کے خلاف ہر کارروائی

میں آگے رہے۔

شہید کے بڑے بھائی پاک فوج کے جوان نائیک محمد خان نے بتایا کہ عمران خان ایک زندہ دل اور جفاکش سپاہی تھے۔ ان کا جذبہ بہت خوب اور عزم نہایت بلند تھا۔ عمران خان ایک کارروائی میں شدید زخمی ہوئے لیکن بڑے بھائی محمد خان کے علاوہ گھر کے کسی فرد کو بھی نہ بتایا۔ ایک موقع پر جب چھٹی آئے تو ان کی کمر پر لگے گہرے زخم والدہ نے دیکھ لئے اور کہا بس بیٹا اب آپ نے دوبارہ نہیں جانا۔ شہید کے بھائی کہنے لگے کہ اس موقع پر گھر کے تمام افراد موجود تھے۔ عمران نے والدہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ''امی کیا اگر میں گھر پر ہی رہ جاؤں اور آپ کے پاس ہی بیٹھا رہوں تو جو وقت میری موت کا لکھا ہے وہ ٹل جائے گا....؟'' عمران کے اس جواب سے ان کی والدہ کو تسلی ہوئی اور کہنے لگیں بیٹا آپ کی بات بالکل درست ہے لیکن کیا کروں جب سے آپ کے زخم دیکھے کسی طرح چین نہیں آتا۔ بلاشبہ یہ مر مٹنے کا جذبہ صرف تنخواہ پانے کے حصول کے لئے دل میں نہیں سماتا' اس کے پیچھے یقیناً دھرتی کی محبت اور حفاظت کا جذبہ ہی کارفرما ہوا کرتا ہے۔

مورخہ 14 جولائی 2010ء کو سپاہی عمران خان جنڈولہ کے فوجی کیمپ میں چیک پوسٹ پر تعینات تھے کہ دہشت گردوں نے ان کے کیمپ پر حملہ کیا جس کا آپ نے منہ توڑ جواب دیا، اسی جھڑپ میں دشمن کی جانب سے ان پر ہینڈ گرنیڈ پھینکا گیا جس سے آپ موقع پر جام شہادت نوش کر گئے۔ یہ ان کی قربانی کی برکت تھی کہ آپ کی شہادت کے بعد دہشت گردوں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ان کے دیگر ساتھی محفوظ رہے اور ان کی بروقت کارروائی سے دشمن بھاگ کھڑا ہوا۔ یوں عمران خان نے اپنی جان پر کھیل کر اپنے فوجی کیمپ کو ایک بڑی تباہی سے بچا لیا۔

ان کی پہلی نمازِ جنازہ ڈیرہ اسماعیل خان کینٹ اور دوسری نمازِ جنازہ 15 جولائی 2010ء بعد نمازِ ظہر آبائی علاقہ سوانس ضلع میانوالی میں ادا کی گئی، آرٹلری کی نائن ہیوی یونٹ کے ایک چاق و چوبند دستے نے سلامی پیش کی اور اس بہادر سپاہی کو مقامی قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ بعدازاں ان کے چھوٹے بھائی کامران خان نے ان کی جگہ لی اور فوج میں بھرتی ہو کر ای ایم ای کور کا حصہ بنے۔

◆......◆......◆

فرنٹیئر فورس کا سپوت، بھمبر سیکٹر کا محافظ

نائیک محمد عابد بلوچ

وہ 7 اپریل 2013 کی ایک روشن صبح تھی جب پاکستانی فوج کے فرنٹیئر فورس گروپ کے نوجوان بھمبر سیکٹر آزاد کشمیر کی سرحدی چوکی پر نہایت مستعدی سے ڈیوٹی دے رہے تھے کہ اسی دوران بھارتی توپ خانے نے رات کے سکوت کو توڑا، فضاء بارود سے گونج اٹھی اور مکار ہندو دشمن نے پاکستان کے ان سرحدی محافظوں پر اندھا دھند گولہ باری شروع کردی، چوکی پر تعینات 42 ایف ایف کے جوان وطن عزیز کے دفاع سے بھلا کیونکر غافل رہ سکتے تھے، چنانچہ پاک وطن کے ان شیروں، بہادر محافظوں اور جانثاروں نے انگڑائی لی، بھارتی جارحیت کا بڑی بہادری سے جواب دیا اور دشمن کا یہ حملہ پسپا کرڈالا اوران فرزندوں کی بھرپور جوابی کارروائی سے دشمن نے ناقابل تلافی نقصان اٹھایا۔

اس معرکہ میں نائیک محمد عابد رضا خان نے جان کا نذرانہ پیش کیا اور دیوانہ وار لڑتے ہوئے شہادت کا جام پیا۔ نائیک عابد بلوچ کے بھائی محمد خان بلوچ نے بتایا کہ عابد رضا خان نے 1982ء میں ضلع بھکر کے علاقہ دریاخان کے مقامی زمیندار محمد رمضان بلوچ کے گھر میں آنکھ کھولی۔ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول دریاخان سے پاس کیا، بعدازاں 2001ء میں پاکستان کی بری فوج میں شامل ہوئے، ایبٹ آباد

میں فوجی تربیت مکمل کی اور 42 ایف ایف کا حصہ بنے۔

شہید نائیک عابد رضا خان نے ملک کے دفاعی نوعیت کی حامل اہم جگہوں پر ڈیوٹی کے فرائض انجام دیے۔ وہ ڈیرہ نواب شاہ، کارگل سیکٹر، پاراچنار، بہاولپور، ہنگو اور بھمبر میں تعینات رہے اور آخر کار مملکتِ خداداد کا دفاع کرتے ہوئے بھمبر سیکٹر کی سرحدی چوکی پر دشمن سے لڑتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

نائیک عابد رضا خان ایک چست' پھرتیلے اور سخت جان فوجی جوان تھے۔ وہ والی بال گیم کے بہترین کھلاڑی بھی تھے اور فوجی سطح کے ہر مقابلے میں خوب حصہ لیتے، وہ جس ٹیم کی طرف سے بھی کھیلتے اس کا پلہ ہمیشہ بھاری رہتا اور جیت ہی اس کا مقدر ٹھہرتی۔ نائیک عابد رضا بلوچ کے دوست' پاکستان ایر فورس کے جوان محمد خالد اعوان کا کہنا تھا کہ عابد رضا شہید صحیح معنوں میں دوستوں کے دوست تھے، وہ ایک بہادر سپاہی تھے اور ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنے وطن پر جان نچھاور کر ڈالیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دلی مراد پوری کی اور وہ بڑی بہادری کے ساتھ اپنے وطن کا دفاع کرتے ہوئے جان پر کھیل گئے جس پر ان کے خاندان، ان کے دوست احباب اور ان کی یونٹ کے ساتھیوں کو فخر ہے۔ نائیک عابد بلوچ کا جسدِ خاکی 8 اپریل 2013ء کو آبائی علاقہ دریا خان ضلع بھکر میں لایا گیا، ان کی نماز جنازہ میں اہل علاقہ نے جوش و جذبے کے ساتھ شرکت کی اور انہیں پاکستان آرمی کے چاق و چوبند دستے کی سلامی میں مقامی قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ عابد بلوچ نے سوگواران میں والدین، بیوہ اور تین بچے چھوڑے ہیں۔

دعا ہے باری تعالیٰ ان کے اہل خانہ کو صبر کی دولت سے نواز دے اور ان جانثاروں کی برکت سے یہ دھرتی سدا خوشحال رہے اور تا صبحِ قیامت یہاں پر امن وامان۔

کا بول بالا ہوتا رہے۔(آمین)۔محشر بدایونی نے ''نقارہ نامہ'' کے عنوان سے ان غازیوں کو اپنے ان اشعار میں بہت خوبصورت انداز میں سلام پیش کیا ہے۔

دن رات پٹے گا جب دشمن خود بھاگ پڑے گا بے چارہ

یہ مال رسد، امداد کمک ، یہ خیمے چھاتے غبارے

یہ گولے توپیں ، بندوقیں ، یہ ٹینک مشینیں طیارے

یہ رائفلیں ، یہ سنگینیں ، یہ خود زرہ بکتر سارے

میدان میں گر کر ڈھیر ہوئے جب فوج خدا نے للکارا

دن رات پٹے گا جب دشمن خود بھاگ پڑے گا بے چارہ

◆……◆……◆

رجمنٹ آف آرٹلری کی آن

سپاہی محمد وسیم شاہ (تمغۂ بسالت)

محمد وسیم شاہ پاک فوج کی مایہ ناز کور آرٹلری کے شاہین صفت سپاہی تھے۔ آپ پاک فوج کے ایک خوبصورت جوان تھے۔ فوجی زندگی سے آپ کو بے حد لگاؤ تھا اسی لئے آپ نے اس کا انتخاب کیا، وسیم شاہ حسن اخلاق کا پیکر اور ایک جرأت مند محافظِ وطن تھے۔

وسیم شاہ مورخہ 3 مارچ 1989ء کو مانسہرہ کے ایک گاؤں نارم میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق سید گھرانے سے تھا۔ والد کا نام محمد سلیم شاہ ہے جو ایک سرکاری محکمے میں ملازمت کرتے ہیں۔ جناب محمد سلیم شاہ نے بتایا کہ میرا بیٹا وسیم شاہ بہت ہی زندہ دل، سادہ مزاج انسان تھا مگر بلا کا بہادر، نڈر اور خطرات سے کھیلنے والا بیٹا تھا۔ محمد وسیم شاہ نے 2007ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور انٹرمیڈیٹ پارٹ ون کا امتحان گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول نارم سے پاس کیا اور اس کے ساتھ ہی 2009ء میں پاک فوج میں شمولیت اختیار کر لی' بعد ازاں دوران سروس ایف اے کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔

محمد وسیم شاہ نے فوجی تربیت آرٹلری سینٹر اٹک سے مکمل کی اور یونٹ FP35 کا حصہ بنے۔ اس شہیدِ وطن نے صرف چار سال تک فوج میں سروس کی اور مورخہ یکم

فروری 2013ء کو سرائے نورنگ کے علاقہ میں ایک فوجی چیک پوسٹ پر تعینات تھے کہ رات کے اندھیرے میں دہشت گردوں نے ان کے کیمپ پر حملہ کر دیا۔ پاک فوج کے ان سپاہیوں نے دشمن کا بھرپور مقابلہ کیا۔

سپاہی وسیم شاہ دشمن کے آگے ڈٹ گئے اور آخری سانس تک خطرناک دشمن سے نبرد آزما رہے۔ اس جھڑپ میں محمد وسیم شاہ نے اپنے دیگر 9 ساتھیوں کے ہمراہ جام شہادت نوش کیا۔ 2 فروری 2013ء کی شام ان کی نماز جنازہ آبائی گاؤں نارم ضلع مانسہرہ میں ادا کی گئی، پاک فوج کے مستعد دستے نے آپ کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔ مورخہ 15 اگست 2013ء کو ان کی جدوجہد اور قربانی کو ازحد سراہتے ہوئے انہیں فوجی اعزاز تمغہ بسالت عطا کیا گیا۔

◆……◆……◆

کمانڈو بننا اس کی دیرینہ آرزو تھی جو پوری ہوئی

کمانڈو محمد عمران اعوان شہید

کمانڈو محمد عمران اعوان شہید 1986ء میں چکڑالہ ضلع میانوالی میں ایک مقامی زمیندار عبدالستار کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ قبیلہ اعوان کی ایک شاخ جدھال برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ شہید کے والدِ محترم عبد الستار اور علاقہ کی معروف شخصیت صاحبزادہ حفیظ الامین نے بتایا کہ کمانڈو عمران شہید نے جوانمردی اور جانثاری کے جوہر دکھاتے ہوئے ایک خون ریز معرکے میں اپنی جان وطن پر قربان کی۔ محمد عمران نے ابتدائی تعلیم علاقہ سے حاصل کی اور میٹرک کا امتحان راولپنڈی تعلیمی بورڈ سے پاس کرنے کے بعد دسمبر 2006ء میں پاک فوج کا حصہ بنے۔ آپ کا تعلق توپ خانے سے تھا اور آپ نے آرٹلری ٹریننگ سینٹر اٹک سے فوجی تربیت حاصل کی۔ محمد عمران ایک خوش اخلاق اور بلند حوصلہ جوان تھے۔

ان کی دیرینہ آرزو تھی کہ کمانڈو ٹریننگ کریں اور ان کے نام کے ساتھ کمانڈو لکھا جائے۔ اللہ نے ان کی یہ آرزو پوری کی، دورانِ سروس منگلا میں ایس ایس جی (سپیشل سروسز گروپ) کمانڈو ٹریننگ کے مدارج کامیابی سے طے کیے۔ شہید فوج میں بحیثیت ایم ٹی ڈرائیور بھرتی ہوئے تھے۔ اٹک سینٹر سے پاس آؤٹ ہونے کے بعد بہاولپور تعینات رہے اور اپنی نو سالہ سروس کا تمام عرصہ یہیں گزارا۔ آپ جذبہ شہادت

سے سرشار رہتے اور اپنے شعبے میں ترقی کی لگن انہیں دامن گیر رہتی۔ ڈیوٹی کے لحاظ سے ان کا شمار محنتی اور انتھک سپاہیوں میں ہوتا تھا۔ آپ کو کمانڈو بننے کا ازحد شوق تھا جسے آپ نے پورا کیا۔

محمد عمران شہادت سے صرف ایک ہفتہ پیشتر چھٹی پر گھر آئے اور اہلخانہ کو بتایا کہ شاید انہیں سوات فوجی آپریشن کے لئے منتخب کر لیا جائے ۔ پھر ایک دن مورخہ 19 نومبر 2015ء کی شام پانچ بجے ان کی کال آئی کہ ان کا قافلہ سوات کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ یہ فوجی قافلہ ابھی سوات پہنچا ہی تھا کہ گھات لگائے دہشت گردوں نے اس پر حملہ کردیا۔ سب سے آگے والی گاڑی سپاہی محمد عمران ڈرائیو کررہے تھے' انہوں نے اپنے جانباز ساتھیوں کے ہمراہ دہشت گردوں کا بھرپور مقابلہ کی اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کردیا۔ اسی معرکہ میں محمد عمران دہشت گردوں کی گولی کا نشانہ بنے اور جام شہادت نوش کیا۔ ان کے قافلے میں شامل دیگر تمام لوگ محفوظ رہے۔ یوں سپاہی عمران کی قربانی رنگ لائی اور یہ پورا فوجی قافلہ کسی بڑے نقصان سے بچ گیا۔

ان کی میت مردان کینٹ لائی گئی جہاں ان کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی بعدازاں ان کی میت آبائی علاقہ چکڑالہ ضلع میانوالی میں لائی گئی اور ان کی دوسری نمازِ جنازہ ادا کی گئی جس میں علاقہ بھر کے عوام نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور انہیں مقامی قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ عمران کے والد صاحب کا کہنا تھا کہ مجھے فخر ہے کہ اپنے پورے علاقے میں سب سے پہلے میرا بیٹا اس وطن پر قربان ہوا اور اسے شہادت جیسا عظیم رتبہ نصیب ہوا۔

◆......◆......◆

قوم سے کیے گئے عہد کی لاج رکھنے والا محافظِ وطن

سپاہی محمد زاہد اقبال شہید (تمغۂ بسالت)

سپاہی محمد زاہد اقبال 1987ء کو تحصیل رینالہ خورد ضلع اوکاڑہ کے چک نمبر L-1/2 میں مقامی زمیندار عبد الستار کے ہاں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول رینالہ خورد سے پاس کیا اور 2008ء میں آرمی کے انفینٹری گروپ بلوچ رجمنٹ میں 22 بلوچ یونٹ کا حصہ بنے۔ زاہد اقبال فٹبال کے بہترین کھلاڑی تھے اور ان کا شمار اپنی یونٹ کے بہترین کھلاڑی کے طور پر ہوتا تھا۔ انہوں نے 31 جولائی 2015ء کو بنوں میں شدت پسندوں کے خلاف ایک فیصلہ کن معرکہ میں شہادت پائی اور ان کی نمازِ جنازہ آبائی علاقہ میں ادا کی گئی۔ اس شہید سپاہی کو جرأت مندانہ کردار ادا کرنے پر تمغہ بسالت دیا گیا۔ آپ نے بڑی دلیری اور بے باکی سے دہشت گردوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ شہادت کے بعد شہید کے بھائی اور علاقہ کے نوجوانوں نے ان کی یاد میں زاہد اقبال شہید کلب بنایا جس کے تحت نوجوانوں میں فٹبال اور دیگر کھیلوں، صحت مند سرگرمیوں کا فروغ عمل میں لایا جاتا ہے۔ اس کلب کے تحت سالانہ ٹورنامنٹ کا انعقاد بھی عمل میں لایا جاتا ہے۔

شہید کے والد عبد الستار کا کہنا تھا کہ مجھے اپنے بیٹے کی جدائی کا صدمہ ضرور ہے، وہ میرا بہت ہی فرمانبردار اور عظیم بیٹا تھا لیکن مجھے یہ کبھی افسوس نہیں ہوا کہ میں نے

اسے فوج میں کیوں بھیجا، نہ ہی مجھے اس کی شہادت پر کوئی ملال ہے۔ کسی بھی قوم اور ملک پر جب کڑا وقت آتا ہے تو باہر سے کوئی آ کر نہیں لڑتا بلکہ اس دھرتی کے اپنے بیٹے ہی اپنی سرزمین کی حفاظت کیا کرتے ہیں، بے شک میرے بیٹے نے اپنا فرض نبھایا اور فوجی ٹریننگ کے دوران قوم سے کئے گئے عہد کی لاج رکھی اور اپنے وطن کے استحکام کی خاطر اپنی جان قربان کردی۔

◆......◆......◆

ایرانی فورسز کی دراندازی کا جواب دیتے ہوئے شہادت پانے والے

صوبیدار عبدالغفور شہید

صوبیدار عبدالغفور پاک ایران بارڈر پر اس وقت شہید ہوئے جب ایرانی فورسز نے ان کی دھرتی میں زبردستی گھسنا چاہا۔آپ نے دشمن کا راستہ کا روکتے ہوئے شہادت پائی اور ملک کے ناموس پر قربان ہوئے۔شہید کو فوجی زندگی بے حد پسند تھی اور دشمن کے خلاف بڑی بے جگری سے لڑے۔صوبیدار عبدالغفور شہید کے قبیلے کے نوجوان محمد سہیل طیب اور فرنٹیر کانسٹیبلری کے سپاہی محمد جہانگیر سوز نے راقم کو بتایا کہ ان کا آبائی علاقہ بوہڑ تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خان ہے اور آپ 1975ء کو پیدا ہوئے۔والد کا نام دوست محمد تھا، عبدالغفور شہید بہادر بلوچ قبیلے کے فرد تھے۔میٹرک تک تعلیم تونسہ شریف سے حاصل کی اور 1994ء میں فرنٹیئر کور بلوچستان میں بھرتی ہوئے اور لورالائی بلوچستان میں عسکری تربیت مکمل کی۔انہوں نے دورانِ سروس بلوچستان کے مختلف علاقوں میں ڈیوٹی کے فرائض انجام دیئے۔صوبیدار عبدالغفور شہید نے بلوچستان میں شدت پسندوں اور بلوچ عسکریت پسندوں کے خلاف بھرپور کردار ادا کیا اور وطن عزیز کے استحکام کی خاطر ہمیشہ میدانوں میں رہے۔ان کی کارکردگی کی بنیاد پر ہی انہیں صوبیدار کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔

مورخہ 16 اکتوبر 2014ء کو ایران بارڈر پر چوکاب چیک پوسٹ مکران میں

تعینات تھے کے رات کے اندھیرے میں ایرانی فورسز سرحدی حدود کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستان میں گھس آئیں۔اس موقع پر ڈیوٹی پر موجود صوبیدار عبدالغفور اوران کے بہادر ساتھیوں نے غیر معمولی جرات اور بہادری کا مظاہرہ کیا، ملک کی خودمختاری اورسالمیت پر کوئی سمجھوتہ نہ کرتے ہوئے دشمن فورسز کو منہ توڑ جواب دیا اور اپنی عسکری مہارت کو کام میں لاتے ہوئے حملہ آورفورسز کو بھاری نقصان پہنچایا۔اسی معرکہ میں صوبیدار عبدالغفور نے جام شہادت نوش کیا اوران کے دیگر تین ساتھی شدید زخمی ہوئے۔ان کی نماز جنازہ آبائی گاؤں میں ادا کی گئی، پیراملٹری فورس کے مستعد دستے نے میجر عبدالقدوس کی قیادت میں گارڈ آف آنر پیش کیا اور شہید کو پورے فوجی اعزاز کے ساتھ قبرستان گھالی والا تونسہ شریف میں سپرد خاک کیا گیا۔آپ کی نمازِ جنازہ میں علاقہ کے عوام نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

◆......◆......◆

شہادت ہے مشن اپنا

نائیک محمد عثمان شہید

آپ 1976ء میں حافظ غلام حسین بلوچ کے آنگن میں پیدا ہوئے۔ان کا تعلق بلوچ خاندان سے تھا اور علاقہ مندرانی تحصیل تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خان ہے۔ محمد عثمان نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور 1993ء میں فرنٹیئر کور بلوچستان کا حصہ بنے اور لورالائی میں فوجی تربیت حاصل کی۔ سپاہی کے عہدے سے لانس نائیک اور نائیک کے عہدے پر ترقی ملی۔اس شہید سپاہی نے اپنی سروس کے دوران ہمیشہ ملکی مفاد کو مقدم جانا اور قوم کی جانب سے سونپے گئے فرض کی ادائیگی میں کسی قسم کی غفلت اور سستی کا مظاہرہ نہ کیا۔مورخہ 20 مئی 2011ءکو بلوچستان کے علاقہ مند میں معمول کی گشت پر تھے کہ ان کی گاڑی بارودی سرنگ سے ٹکراگئی جس سے آپ موقع پر جام شہادت نوش کر گئے۔ شہید کو نورشاہ قبرستان تونسہ شریف میں سپردِ خاک کیا گیا۔

◆......◆......◆

وفادار، شیر دل اور جفاکش فرزند

سپاہی عبدالعزیز شہید

سپاہی عبدالعزیز فرنٹیر کور بلوچستان کے ونگ ژوب ملیشیا سے وابستہ تھے۔ ان کا علاقہ موضع کھلیر و چتروٹہ تحصیل تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خان ہے۔آپ 1977ء میں مقامی زمیندار حاجی اللہ دتہ کے ہاں پیدا ہوئے اور بلوچ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ میٹرک تک تعلیم مقامی ہائی سکول سے حاصل کی اور مورخہ 15 فروری 2005ء کو فرنٹیئر کور بلوچستان میں شمولیت اختیار کرنے کے بعد ژوب میں فوجی تربیت حاصل کی۔ صرف سات سالہ سروس کے دوران بلوچستان بھر میں شر پسندوں کے خلاف کارروائیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔عبدالعزیز ایک نہایت وفادار، شیر دل اور جفاکش سپاہی تھے۔ دہشت گردوں کے خلاف ہر کارروائی میں صفِ اول میں رہے۔آپ مورخہ 16 دسمبر 2012ء کو ژوب بازار میں ڈیوٹی پر مامور تھے کہ ایک بم حملے میں شہید ہوئے۔ان کی نماز جنازہ 17 دسمبر 2012ء کو اپنے آبائی علاقہ موضع کھلیر و چتروٹہ تحصیل تونسہ شریف میں ادا کی گئی اور مقامی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

◆……◆……◆

آئی ایس پی آر کا ماہنامہ ''ہلال'' ایک نظر میں

پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ آئی ایس پی آر (انٹر سروسز پبلک ریلیشنز) کا ماہانہ جریدہ ''ہلال'' طویل عرصے سے شائع ہو رہا ہے۔ یہ اپنی اشاعت کے روز سے لے کر آج تک ہر دور میں بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ اور پاک فوج کے قافلہ سخت جاں کی طرح اپنی منزل کی جانب محوسفر رہا۔ ہلال کا آنے والا ہر شمارہ معیارِ طباعت، تحریروں کے انتخاب' غرض ہر اعتبار سے جگمگ جگمگ کرتا دکھائی دیتا ہے۔

اس خوبصورت عسکری، علمی اور ادبی وفکری جریدے نے 1948ء میں ''مجاہد'' کے نام سے سفر شروع کیا، یہ اس وقت بھی اپنے معیار کے اعتبار سے از حد مقبول تھا۔ 1951ء میں اس نے کروٹ بدلی اور یہ سہ روزہ پھر ہفت روزہ ''ہلال'' کے عنوان سے چھپنا شروع ہوا اور اب گزشتہ کئی برس سے اسے ماہانہ بنیادوں پر شائع کیا جا رہا ہے۔ پہلے یہ اردو' انگلش دو حصوں کو یکجا کر کے شائع کیا جاتا تھا اور آج کل ان دو زبانوں میں علیحدہ سے چھپ رہا ہے۔ ہلال اردو اور ہلال انگلش کے ایڈیٹرز، ادارتی عملہ بھی الگ الگ ہے۔ ماہنامہ ہلال ایک خوبصورت اور تاریخی پس منظر رکھتا ہے اور دنیائے ادب کی نامور شخصیات اس سے وابستہ رہی ہیں۔ ہلال کا علمی، ادبی، اصلاحی اور عسکری کردار روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

جب بھی اس خوبصورت جریدے کا نام سامنے آتا ہے بریگیڈیئر صدیق سالک

شہید، کرنل محمد خان، کرنل شفیق الرحمٰن اور میجر ضمیر جعفری جیسے قلم کاروں کے نام ذہن میں انگڑائی لینے لگتے ہیں۔ کسی دور میں کیپٹن آغا بابر، خواجہ تصور علی، ملک ممتاز، میجر مسعود نے اسے نیا انداز دیا تو کبھی کرنل عارف محمود (صدارتی ایوارڈ یافتہ مدیر ہلال) جیسے زیرک مدیر اور کرنل ذیشان فیصل خان، کرنل شاہد ظہور نے اس کی رونقوں کو دوبالا کئے رکھا۔ آج کل اس مشہورِ زمانہ جریدے کے اردو حصے کی ادارت ممتاز قلم کار اور ادیب یوسف عالمگیرین اور بریگیڈیئر طاہر محمود سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان حضرات کی محنتِ شاقہ کی بدولت یہ مجلّہ ہر آنے والی اشاعت میں پہلے سے زیادہ معیاری ثابت ہو رہا ہے، ہر شمارہ ایک نیا نکھار لئے منصۂ شہود پر آ رہا ہے۔

یوں تو ہلال' قیام وطن سے اب تک باقاعدہ چھپ رہا ہے تاہم گزشتہ دو سال سے اس نے جدت و معیار کی بلندی کی جانب اہم قدم اٹھایا ہے۔ اب ہلال اردو، انگلش کا ہر تازہ شمارہ اپنے اندر منفرد انداز اور نیا پن لئے منصۂ شہود پر آتا ہے۔ ڈیزائننگ، گرافکس، معیارِ طباعت، کاغذ، نثر و نظم، شہداء سٹوریز اور انٹرویوز تک' سب کچھ اعلیٰ معیار کا حامل ہے۔ اس کے ٹائٹل کی مستقل عکاسی کچھ اس نوعیت کی ہے جو پاک فوج کی عسکری مہارت کا پتہ دیتی ہے۔ ٹائٹل پر پہلی نظر پڑتے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعی پاک فوج کا ترجمان میگزین ہے۔ مضامین کی فہرست کے بعد ایڈیٹر کا بہترین اداریہ جو عموماً حالات حاضرہ پر ہوتا ہے اپنے اندر گہرا اثر رکھتا ہے۔ ایڈیٹر کے ادارتی نوٹ ایک ایسی روشنی کی صورت ہوتے ہیں جو قوم کو شعور کی وادیوں تک لے جانے میں راہبر و راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ یہ اداریے سرحدوں پر ہونے والی دہشت گردی اور اندرون ملک رخنہ ڈالنے والے وطن دشمنوں کی چیرہ دستیوں کا خوب پردہ چاک کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں ہلال میں لکھنے والے کہنہ مشق صحافیوں اور دیگر لکھاریوں کے مضامین اور تجزیئے پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں اوران رشحاتِ فکر میں بدامنی کے عنصر کی وجوہ اوراس پر قابو پانے کی مدلل بحث کی جاتی ہے۔نظریہ پاکستان، دفاع پاکستان، ملک کی تعمیر وترقی میں فوج کا کرداراوران جیسے دیگراہم موضوعات پرپُر مغز مضامین قارئین کودعوتِ فکر دیتے ہیں اور دلوں کے تار جھنجھوڑتے ہیں۔ پاک فوج اوراس کے ذیلی اداروں کی روشن خدمات کا تذکرہ کیا جاتا ہےاور پھران سے یہ امید باندھی جاتی ہے کہ انشاءاللہ انہی کے دم قدم سے اس دھرتی پرامن کا سورج ضرور طلوع ہوگا، یہ سرزمین روشنیوں کا نگر بنے گی اور یہاں مستقل طور پرظلمتوں کا خاتمہ ہوگا۔

ہلال کے مضامین میں پڑوسی ملک بھارت اور دیگر وطن دشمن طاقتوں کا حقیقی چہرہ بھی بےنقاب کیا جاتا ہے۔اسی طرح ملک کی ممتاز علمی اورادبی شخصیات اوران کےفن کا بھی احاطہ کیا جاتا ہےاوران کی خدمات کوخراج تحسین پیش کرکےان سے وابستہ یادوں کوتروتازہ کیاجاتا ہے۔

اردوادب کی ممتازشخصیات،معروف لکھاریوں،صحافیوں کےمضامین اورعسکری تجزیئےاس کےحسن اورمعیارمیں خوب اضافے کا سبب بنتے ہیں۔القِصّہ کہ اس میں شامل تمام تحریریں ہی دلچسپ، معلوماتی اورفکر انگیز ہوتی ہیں۔میگزین کے آخری صفحات پرافواج پاکستان کی دنیا بھرمیں جاری سرگرمیوں سے متعلق مختلف رپورٹس اور فوجی سرگرمیوں کی تازہ بہ تازہ تصاویر بھی دی جاتی ہیں جوہماری افواج کی صلاحیتوں کا پتہ دیتی ہیں۔غرض ہلال صفحہ بہ صفحہ،سطر بہ سطر بالاستیعاب پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ درحقیقت اب ہلال کا ہرشمارہ ایک مستقل کتاب کا درجہ پا گیا ہے جومطالعہ کے

بعد بک شیلف میں رکھنے کے قابل ہے، یہ 70 صفحات پر مشتمل اور آرٹ پیپر پر فور کلر شائع کیا جاتا ہے۔ قارئین کے لیے یہ بات اور بھی دلچسپ ہوگی کہ، گو یہ مسلح افواج کا جریدہ ہے لیکن اب اس میں ایک عام آدمی کی پسند کا بھی خاص خیال رکھا جارہا ہے۔ جریدے کو ہر ماہ جس طرح سے شاندار اشاعت کے قالب میں ڈھالا جاتا ہے اور جس عرق ریزی سے تحریروں کا انتخاب کیا جاتا ہے اس سے ہلال کی پوری ٹیم کی مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ ہلال کے پیٹرن اِن۔ چیف لیفٹیننٹ جنرل عاصم سلیم باجوہ (ڈی جی۔ آئی ایس پی آر) اور چیف ایڈیٹر بریگیڈیئر طاہر محمود، ایڈیٹر یوسف عالمگیرین جیسے لوگ ہمارے ملک کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ ہلال (اردو) اور ہلال (انگلش) کا تمام سٹاف اور ادارتی عملہ' حماد نذیر، صبا زیب، غزالہ یاسمین ، رانا ظفر اقبال، محمد امجد ، ساجد اقبال، راجہ ذیشان الیاس، قاری عطاء الرحمٰن، محمد سعید، ارشد صدیقی ،نور حسین ،توقیر حسین راجہ، قدیر احمد، طارق محمود، شاہد محمود، مظہر فضل ، ماریہ خالد، ملک یاسر فرید، سمیرا جاوید، محمد سلیم اختر ،عبد الغفور چشتی اور فرحان علی ملک ، یاسر عرفات' غرض تمام سٹاف کے لئے دعا ہے کہ ان کی محنت اور خلوص کی بدولت یہ مجلّہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے اور مقبولیت کے نئے سنگ میل عبور کرے۔ (آمین)

◆......◆......◆

مصنف کے ماموں، جنگ ستمبر 1965ء کے ہیرو

صوبیدار میجر یار محمد خان (مرحوم)
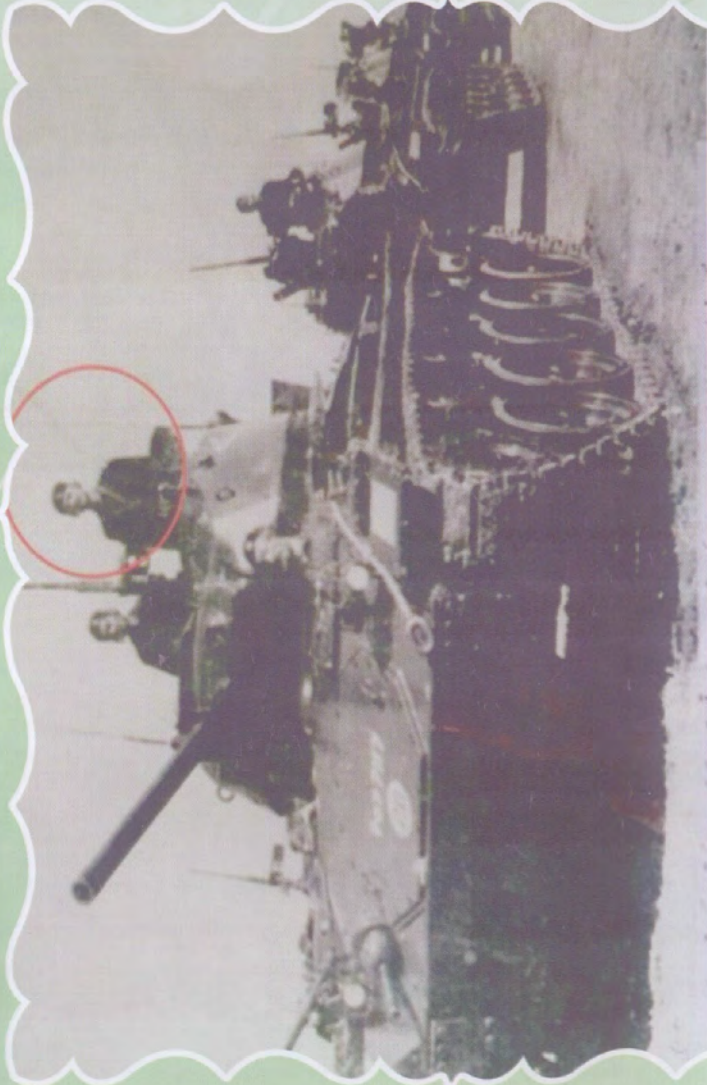
مصنف کے ماموں، جنگ ستمبر 65ء کے ہیرو صوبیدار میجر یار محمد خان تلک پور کے محاذ پر آرمڈ کے ایک دستے کی قیادت کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

دوران تربیت پی ایم اے کاکول میں میجر ذکاء الحق شہید کی ایک یادگار تصویر

کیپٹن سلمان سرور شہید

سپاہی فیاض الحسن شہید

سپاہی وسیم شاہ شہید

کمانڈو نعیم عباس شہید

میجر جنرل ثنااللہ نیازی شہید

ایل ڈی
حشمت دین شہید

سپاہی مہربان شہید

لانس نائیک عدیل اختر شہید

سینئر ٹیکنیشن ندیم اعوان شہید

میجر جنرل محمد حسین اعوان شہید

کیپٹن ظہور الحق شہید

نائیک اسلم شہید

سپاہی رضوان جو.جی شہید

لانس نائیک نوید عباس شہید

سپاہی حافظ ثناء اللہ شہید

سپاہی عطا اللہ شہید

نائیک عابد رضا شہید

کیپٹن ایزد امتیاز علی شہید

سپاہی محمد عمران خان شہید

سپاہی زاہد اقبال شہید
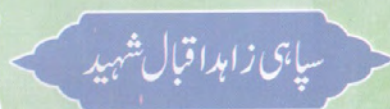
اے ایل ڈی
غلام مہدی خان شہید

لیفٹیننٹ کرنل
افتخار احمد جمیل شہید

نائیک غلام علی شہید

کیپٹن اصغر بلوچ شہید
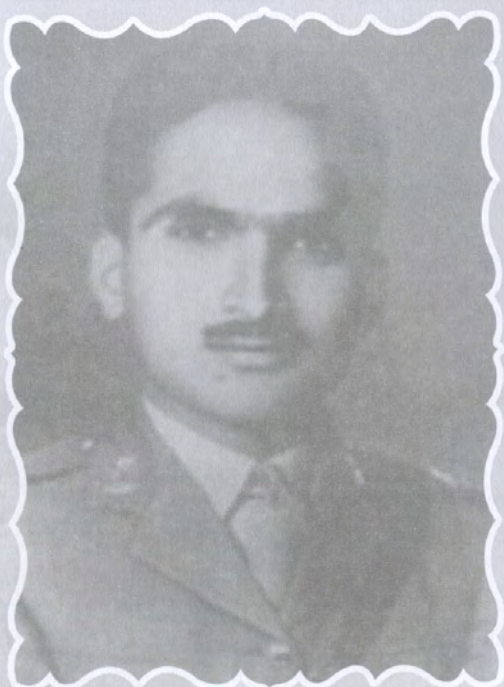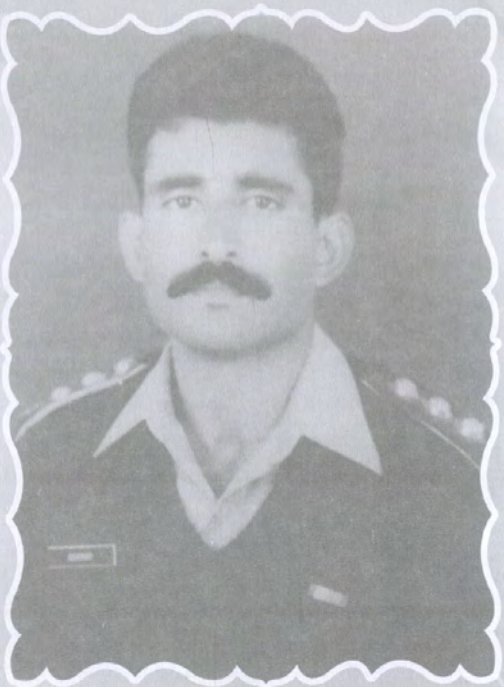
کیپٹن حمید اللہ سنبل شہید

سپاہی جعفر حسین شہید

سپاہی اقبال شہید

جونیئر ٹیکنیشن احسان الرحمٰن شہید
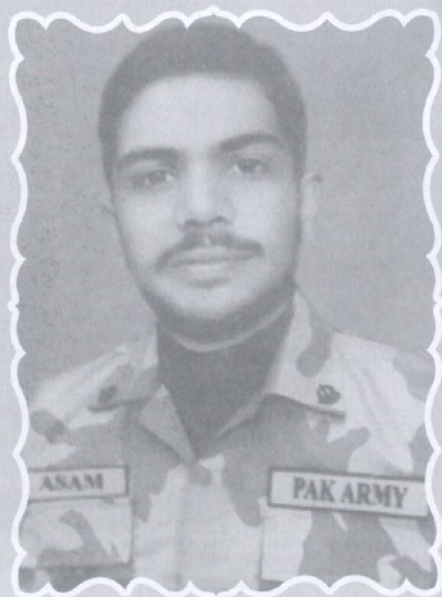
سپاہی عاصم اقبال شہید

سپاہی حافظ سعید الرحمن شہید
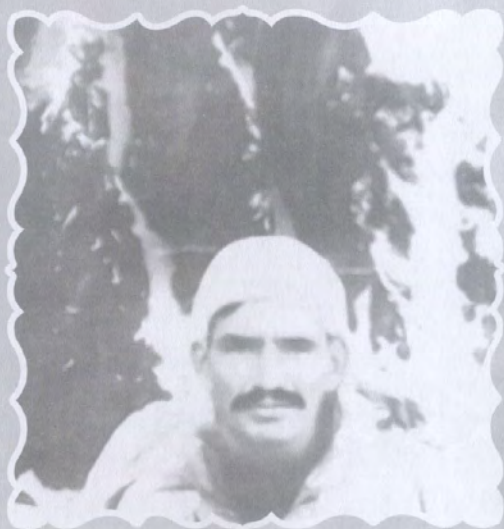
سپاہی مرید شہید

سپاہی شہزاد انجم شہید

حوالدار ریاض شہید

سپاہی عاصم رضا شہید
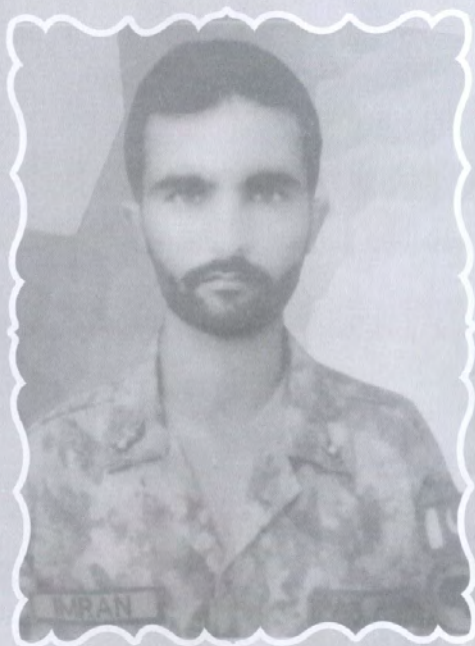
کمانڈو عمران اعوان شہید

سپاہی محمد ریاض شہید

میجر محمد زبیر شہید

کیپٹن حافظ سرفراز شہید
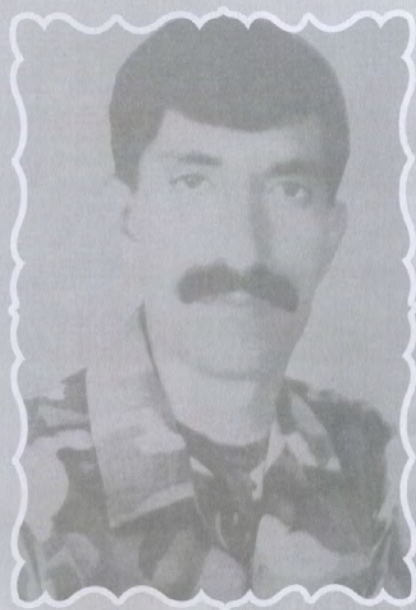
صوبیدار ممتاز حسین شہید

شہداء کی قربانیوں کے ذکر کو پھیلانے کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان ان کے ولولہ انگیز واقعات سے اپنے ایمان و یقین کو مزید پختہ کر سکیں۔ محترمی عبدالستار اعوان نے بھی اس فرض کو بخوبی نبھایا ہے اور وطن پر جان قربان کرنے والوں کے ذکر کو کتابی شکل دے کر "ہمارے شہداء" کی عظمت و فضیلت کو نکھارا ہے۔ مجھے امید ہے کہ مصنف کی اس کاوش کو علمی و ادبی حلقوں میں خاصی پذیرائی ملے گی۔

جنرل مرزا اسلم بیگ
(سابق چیف آف آرمی سٹاف پاکستان)

☆☆☆☆☆☆

عبدالستار اعوان نوجوان قلم کاروں میں وہی مقام رکھتے ہیں جو ناٹوں کے ہجوم میں ایک دراز قامت شخصیت رکھتی ہے۔ ان کا عمومی تعارف کالم نگار کا ہے لیکن ان کی مشق اور مزاولت ثابت کرے گی کہ وہ دن دور نہیں جب ہر کہ و مہ تسلیم کرے گا کہ عبدالستار اعوان ایک صاحب طرز ادیب بھی ہے۔ خالی خولی ادیب نہیں بلکہ ادیب طناز۔ ان کی تحریریں پڑھتے ہوئے ایک قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ انہیں کلام اور قلم دونوں پر بیک وقت قدرتِ کاملہ اور مہارتِ تامہ حاصل ہے۔

حافظ شفیق الرحمن
سینئر صحافی، کالم نویس، ادیب، خطیب

☆☆☆☆☆☆

قابل صد احترام ہیں ہمارے شہداء جنہوں نے وطن کے لئے جان کی بازی لگا دی لیکن اس پر آنچ نہیں آنے دی معروف کالم نگار عبدالستار اعوان نے ایسے ہی نگینوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے ہلال اور مختلف جرائد میں چھپنے والے اپنے مضامین کو کتابی صورت دے کر اسے " ہمارے شہداء " کے نام سے پیش کیا ہے، جو بلاشبہ ایک قابل ستائش اور لائق تحسین کام ہے کیونکہ جو اقوام اپنے ہیروز اور محسنوں کو یاد رکھتی ہیں اُنہیں کبھی زوال نہیں آتا۔

یوسف عالمگیرین
ایڈیٹر ہلال / کالم نگار / ادیب

☆☆☆☆☆☆

عبدالستار اعوان نے 2008ء میں افواج پاکستان کے موقر جریدے ماہنامہ ہلال کے لئے ایک شہید سپاہی کی سوانح عمری بھجوائی تو یہ وہ دور تھا جب افواج پاکستان کے سپوت دہشت گردوں کے خلاف وطن عزیز کے تحفظ و سلامتی کی جنگ لڑتے ہوئے اپنی جانوں کے نذرانہ پیش کر رہے تھے لیکن ان کی قربانیوں کو تاریخ کے اوراق میں محفوظ بنانے والوں کو ڈھونڈنا پڑتا تھا۔ ایسے میں عبدالستار اعوان جیسے لکھاری کا از خود اس میدان میں اپنی خدمات پیش کرنا جذبہ حب الوطنی کا ایک بہترین مظاہرہ تھا۔ اس نوجوان مگر سنجیدہ لکھاری نے اپنے شب و روز ایک کر کے اس مقدس فریضے کا بیڑا اٹھایا اور آج ماشاء اللہ میری آنکھوں کے سامنے اس کی کاوش " ہمارے شہداء " عسکری تاریخ کے آکاش پر ایک خوبصورت قوس و قزح کی طرح آویزاں ہے۔

لیفٹیننٹ کرنل عارف محمود
سابق ایڈیٹر ہلال (صدارتی ایوارڈ یافتہ)